وصلِ محبوب جل جلالہٗ میں حائل ہے فقط خواہشِ نفس
اسی دیوار کو ڈھانے سے خدا ملتا ہے

ہَوٰی پرستی کا خطرناک اَنجام

مُرتّب

حضرت مولانا مُفتی احمد مُمتاز صاحب مدظلہم

تلمیذِ رشید

حضرت مولانا مُفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مُجاز

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم

ناشر

تعمیرِ معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851

www.jamiakhulafaerashideen.com
societyrectifier@gmail.com

حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب کی چند کتابیں

- اصلی چہرہ
- حیض ونفاس
- اصلی زینت
- تقویٰ کے چار انعامات
- مسائلِ رمضان المبارک
- آٹھ مسائل
- غیر سودی بینکاری ایک منصفانہ علمی جائزہ
- حج وعمرہ میں خواتین کے مسائلِ مخصوصہ
- درسِ ارشاد الصرف
- درسِ نحو میر
- حرام ذرائع آمدن اور ان کی مروجہ صورتیں
- قربانی کے فضائل ومسائل
- انتہائی مفید دعا
- ڈاڑھی اور مونچھ مع ٹخنے کھلے رکھنے کا حکم
- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذہانت کے دلچسپ واقعات
- ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ کا حکم
- مسلمان تاجر
- منفرد اور مقتدی کی نماز اور قراءت کا حکم
- اصلی زیور
- عباد الرحمٰن کے اوصاف
- مطالبہ
- پانچ مسائل
- استشارہ واستخارہ
- کپڑے موڑ کر ٹخنے کھلے رکھنے کا حکم
- اسلام کی حقیقت
- حی علی الفلاح پر قیام کا مسئلہ
- چار مسائل
- حیلہ اسقاط
- طلاقِ ثلاث
- ادعیہ نافعہ
- مروجہ تکافل اور شرعی وقف
- کرنسی، ہنڈی وحوالہ کے کاروبار کی شرعی حیثیت

ناشر

تعمیرِ معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851

www.jamiakhulafaerashideen.com
societyrectifier@gmail.com

الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ

مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ۔ رواه الترمذی و ابن ماجة

عقل مند شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو پہچان لے (تواضع اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرے) اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے (تقویٰ کا توشہ اپنے ساتھ لے لے) اور احمق و بے وقوف شخص وہ ہے جو نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے (شہوت اور لذات میں زندگی برباد کرے) اور اللہ تعالیٰ سے (بے محل) امیدیں باندھے (گناہ کرتا رہے اور کہے اللہ غفور الرحیم ہے)

ہویٰ پرستی کا خطرناک انجام

وہ گناہ جنہیں گناہوں کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے۔

- خالص سیاہ خضاب
- تصویر
- گمراہ لوگوں کی موافقت
- حرام بصورتِ مروجہ اسلامی بینکاری
- حرام بصورتِ تکافل
- حرام بصورتِ حوالہ وہنڈی
- ناجائز بصورتِ سر کے بال
- بے پردگی اور بد نظری
- بہنوں کو میراث نہ دینا
- پگڑی اور ایڈوانس میں سود کا عنصر
- پرائز بانڈ اور سود وقمار
- بلٹی کا کاروبار اور سود
- حیض وماہواری کے مسائل سے بے اعتنائی وغفلت

مُرتِّب

حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہم

تلمیذِ رشید

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم

ناشر

تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851

www.jamiakhulafaerashideen.com
societyrectifier@gmail.com

جملہ حقوق کمپوزنگ وڈیزائننگ بحق ناشر محفوظ نہیں ہیں

نام کتاب : ہویٰ پرستی کا خطرناک انجام

مؤلف : حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہم

ناشر : تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

- ادارۃ الرشید بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ لدھیانوی، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی
- اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ طیبہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبۃ النور علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ علی معاویہ بلدیہ ٹاؤن کراچی
- بیت الکتب، گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
- مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر ۴ کراچی
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی
- مکتبہ یوسفیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
- بیت القلم اردو بازار کراچی
- مکتبہ ذیشان، مدنی مسجد عائشہ منزل کراچی
- علمی کتب خانہ، بالمقابل مدنی مسجد عائشہ منزل کراچی
- مکتبہ العرب بلدیہ ٹاؤن کراچی
- مکتبہ امام محمد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ رشیدیہ، سائٹ ایریا کراچی
- مکتبہ الجامعۃ البنوریہ العالمیہ سائٹ ایریا کراچی
- مکتبہ عارفیہ بالمقابل دار العلوم کراچی
- مکتبہ فہم دین، بالمقابل بیت السلام مسجد ڈیفنس فیس ۴ کراچی

- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ 081-2662263
- مکتبہ اشرفیہ کانسی روڈ کوئٹہ 0345-8305233
- مکتبہ سدابہار چکوال 0323-3358868
- مکتبہ قاسمیہ تخت بھائی 0300-9145782
- مکتبہ حمادیہ خضدار 0333-3783782
- محمدیہ کتب خانہ ٹوپی 0321-9898494
- کتب خانہ رحمانیہ مستونگ 0332-7857861
- مکتبہ ادارۃ الاشرف پشین کوئٹہ 0302-3830834
- مکتبہ دار النصر چمن 0300-7009003
- مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال 0321-9825540
- مکتبہ حمادیہ حضرو 0300-5675300
- مکی کتب خانہ شیوہ اڈہ ضلع صوابی 0342-8195406
- مکتبہ امام محمد نہر چوک پارہوتی مردان 0311-9383776
- مکتبہ سادات فاروقِ اعظم چوک چارسدہ 0315-9745926
- مکتبہ فاروقِ اعظم باچا خان چوک چارسدہ 0300-2090859
- مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک 0332-9984701
- مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک 0332-9855506
- یونیورسٹی بک ایجنسی قصہ خوانی بازار پشاور 091-2212534
- مکتبہ عمر فاروق قصہ خوانی بازار پشاور 0301-8845717
- فیضی کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور 0333-9194846
- بیت العلم محلّہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور 091-2593534
- ختم نبوت کتاب گھر سرائے نورنگ ضلع لکی مروت 0302-5565112
- مکتبہ روضۃ الاسلام نستہ چارسدہ 0300-5893892
- مکتبہ صدیقیہ، ضلع بٹگرام 0307-7060663
- ادارۃ المحمود بالمقابل تبلیغی مرکز مانسہرہ 0300-5611123
- مدنی کتب خانہ بالمقابل تبلیغی مرکز مانسہرہ 0303-2069352
- مکتبۃ البرہان وانا روڈ وزیر آباد ٹانک 0963-510010
- مکتبہ بیت العلم مین بازار شبقدر 091-6281865
- مکتبہ الہادی نزد جامع مسجد بازار شبقدر 0345-1947410
- مکتبہ نعمانیہ مرکزی جامع مسجد دوآبہ روڈ شبقدر 0346-5952293
- عبد الواحد دینی کتب خانہ اڈہ مسجد ٹل ضلع ہنگو 0331-8150331
- مکتبہ رشیدیہ مین بازار چوک ہنگو 0333-5014680
- ادارۃ العلم صوبرا چوک نوشہرہ 0321-9777171
- مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور 042-37228272
- دار الایمان اردو بازار لاہور 0333-4602281
- مکتبۃ النور تبلیغی مرکز رائے ونڈ 0333-1459072
- مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37242117
- مکتبہ سراجیہ سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا 0333-9810455
- مکتبۃ القرآن امین پور بازار فیصل آباد 041-2601919
- مکتبہ اسلامیہ کوتوالی روڈ فیصل آباد 041-2631204
- شیخ محمد حسین بک سیلرز فوارہ چوک جھنگ 0333-6752004
- مکتبہ زکریا ڈیرہ اسماعیل خان 0313-9397264
- برکی اسلامی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان 0336-9755780

فہرست مضامین

۱	تمہید	۵
۲	ہَوٰی کا معنی اور مذمت	۱۵
۳	ہَوٰی پرستی کا معنی	۱۶
۴	ہَوٰی کا خطرناک درجہ	۱۶
۵	ہَوٰی کی بناء پر کیے جانے والے چند گناہ (جو جائز سمجھ کر کیے جاتے ہیں)	۱۹
۶	﴿۱﴾ خالص سیاہ خضاب........	۱۹
۷	﴿۲﴾ تصویر........	۲۴
۸	جاندار کی شبیہ محرم کی اقسام	۲۵
۹	تصویر پر وعیدیں	۲۸
۱۰	﴿جاندار کی شبیہ سے متعلق دس امور﴾	۳۱
۱۱	منکرات کا سیلاب اور ارتکابِ منکر کی رخصت و عدمِ رخصت کا ضابطہ وقاعدہ	۴۳
۱۲	حج اور عمرہ کے لیے ارتکابِ تصویر کا حکم	۵۴
۱۳	ٹی وی چینلز پر تبلیغِ دین کی خاطر منکرِ تصویر کا ارتکاب	۵۶
۱۴	خواتین اور موسیقی کو ٹی وی کے ذریعے تبلیغِ دین کی ضرورت سمجھنے اور میڈیا کا حصہ بنانے پر مدلل اور چشم کُشا تحریر	۶۷
۱۵	پیامِ صفدر۔احسن خدامی، پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے....!!!	۶۸
۱۶	اختلاف اور خلاف میں فرق	۸۱

۱۷	﴿۳﴾ اکابر اہلِ حق کے اتفاقی مسائل کی مخالفت اور گمراہ لوگوں کی موافقت وحمایت........	۸۲
۱۸	بطورِ مثال مسئلہ لفظِ ''خدا''	۸۲
۱۹	اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ اور لفظِ ''خدا'' کا استعمال	۸۳
۲۰	﴿۴﴾ حرام بصورتِ مروجہ اسلامی بینکاری........	۸۵
۲۱	منافع کی حرمت	۸۵
۲۲	بینک کی فاسد شرطیں	۸۶
۲۳	سودی بینک اور اسلامی نامی بینک کے منافع میں فرق ہے یا نہیں؟	۹۱
۲۴	سودی وغیر سودی بینکوں میں نفع کا فارمولا	۱۰۰
۲۵	شرکت ومضاربت میں ملکیت کے لزوم کا شرعی قانون کیوں توڑا گیا؟	۱۰۱
۲۶	اسلامی بینک اور خلافِ شرع مذکورہ تین شرائط	۱۰۲
۲۷	﴿۵﴾ حرام بصورتِ تکافل........	۱۰۷
۲۸	﴿۶﴾ حرام بصورتِ حوالہ وہنڈی........	۱۱۱
۲۹	﴿۷﴾ ناجائز بصورتِ سر کے بال........	۱۱۳
۳۰	﴿۸﴾ بے پردگی اور بدنظری کا گناہ........	۱۲۳
۳۱	﴿۹﴾ بہنوں کو میراث نہ دینا........	۱۳۲
۳۲	﴿۱۰﴾ پگڑی اور ایڈوانس میں سود کا عنصر........	۱۳۵
۳۳	﴿۱۱﴾ پرائز بانڈ (انعامی بانڈ) اور سود وقمار........	۱۳۶
۳۴	﴿۱۲﴾ بلٹی کا کاروبار اور سود........	۱۳۸
۳۵	﴿۱۳﴾ حیض اور ماہواری کے مسائل سے بے اعتنائی اور غفلت.	۱۳۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَن يَّهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ. [الجاثية: ۲۳]

ترجمہ: سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا اللہ اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، سو ایسے شخص کو بعد اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

(بیان القرآن ۳/۳۸۹، ط: رحمانیہ)

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى. [النازعات: ۴۰، ۴۱]

ترجمہ: اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ (بیان القرآن ۳/۶۲۹، ط: رحمانیہ)

انسان کے باطن میں اللہ تعالیٰ نے ''ہویٰ'' نامی ایک چیز پیدا فرمائی ہے جس کی مخالفت ہدایت اور جنت ہے اور اتباع و پیروی کرنا گمراہی اور جہنم ہے۔

نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ہویٰ'' کی نسبت سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جنہوں نے ''ہویٰ'' کو مقتدا، پیشوا، اور حکم و فیصل بنایا ہے اور اسی کے تابع بن کر پیچھے پیچھے چلتے ہیں ایسے لوگوں کو قرآن کریم نے گمراہ اور ''ہویٰ'' کے پرستش اور عبادت کرنے والے کہا ہے کہ ''ہویٰ'' ان کا معبود ہے اور یہ لوگ اس کے عابد ہیں۔

(۲) جنہوں نے ''ہویٰ'' کو مقتداء تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی مخالفت کی اور قانونِ شریعت

کو مقتدا اور حکم و فیصل تسلیم کیا۔ ان کا معبود اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اللہ کے پرستش اور عبادت کرنے والے ہیں۔

ہویٰ کا خطرناک حملہ: ''ہویٰ'' کا سب سے بڑا اور خطرناک حملہ یہ ہے کہ وہ گناہ کو گناہ کی فہرست سے نکال کر جائز اور حق باور کراتا ہے جس کے بعد بندہ ارتکاب معاصی کے باوجود اپنے کو عاصی اور گناہگار نہیں سمجھتا بلکہ اپنے کو حق پر سمجھتا ہے اس لیے اس گناہ پر بدوں توبہ و استغفار مصر رہتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلٰى أُمَّتِي الْهَوٰى وَطُولُ الْأَمَلِ فَأَمَّا الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُولُ الْأَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ وَهٰذِهِ الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْآخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُونٌ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تَكُونُوا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوا فَإِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِي دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَأَنْتُمْ غَدًا فِي دَارِ الْآخِرَةِ وَلَا عَمَلَ. رواه البيهقي في شعب الإيمان.

(مشكوة ص: ۴۴۴، ط: قديمي)

ترجمہ: حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی امت کے بارے میں جن دو چیزوں سے بہت زیادہ ڈرتا ہوں، ان میں سے ایک تو خواہش نفس ہے، دوسرے (تاخیر عمل اور نیکیوں سے غفلت کے ذریعہ) درازی عمر کی آرزو ہے، پس نفس کی خواہش (جو حق کے مخالف اور باطل کے موافق ہوتی ہے) حق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے روکتی ہے اور جہاں تک درازی عمر کی آرزو کا تعلق ہے تو وہ آخرت کو بھلا دیتی ہے اور (یاد رکھو) یہ دنیا کوچ کر کے چلی جانے والی ہے اور آخرت کوچ کر کے آنے والی ہے (یعنی یہ دنیا لمحہ بہ لمحہ گزرتی چلی جا رہی ہے اور آخرت لمحہ بہ لمحہ تمہاری طرف چلی آ رہی ہے) نیز ان دونوں (یعنی دنیا و آخرت) میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں (یعنی کچھ لوگ تو وہ ہیں جو دنیا کے تابع و محکوم اور اس کی دوستی و چاہت رکھنے والے ہیں گویا وہ دنیا کے بیٹے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو آخرت کے تابع و محکوم اور اس کے دوست و طلب گار ہیں

گویا وہ آخرت کے بیٹے ہیں) لہٰذا اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تم دنیا کے بیٹے نہ بنو تو ایسا ضرور کرو (یعنی ایسے کام کرو اور ایسے راستے پر چلو کہ دنیا کا داؤ تم پر نہ چل سکے اور تم اس کی اتباع وفرمانبرداری اور اس کی محبت وچاہت کے دائرے سے نکل کر آخرت کے تابع ومحکوم اور اس کے طلبگار بن جاؤ) کیونکہ تم آج دنیا میں ہو جو دار العمل (کام کرنے کی جگہ ہے) جہاں عمل کا حساب نہیں لیا جاتا (پس اس موقع کو غنیمت جانو اور اجل آنے سے پہلے عمل کرلو) جب تم کل آخرت کے گھر میں جاؤ گے تو وہاں عمل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا (بلکہ وہاں صرف محاسبہ ہوگا)۔بیہقی۔(مظاہر حق ۴/۱۷۶، ط: دار الاشاعت)

وَعَن شَدَّادِ بنِ أَوسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَلكَيِّسُ مَن دَانَ نَفسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعدِ المَوتِ وَالعَاجِزُ مَن أَتبَعَ نَفسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ. رواه الترمذی وابن ماجة. (مشكوة ص: ۴۵۱، ط: قديمى)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: عقلمند وبہادر شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو (اللہ تعالیٰ کے حکم وفیصلہ، تقدیر وقضاء اور اس کی رضا وخوشنودی کے تئیں) جھکا دے اور (فرمان الٰہی کا) مطیع وفرمانبردار بنادے اور اس اجر وثواب کے لیے (اچھے) عمل کرے جو موت کے بعد پائے گا، نیز احمق ونادان اور بزدل شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کا تابع بنادے (یعنی نفس جن حرام ومشتبہ چیزوں اور دنیاوی لذات ومرغوبات کا خواہشمند ہو ان کو اختیار کرکے گویا اپنے آپ کو خواہش نفس کا اسیر بنادے) اور (گناہوں میں مبتلا ہونے، فرمان حق کے خلاف چلنے، عمل خیر اور توبہ و استغفار کی راہ اختیار نہ کرنے کے باوجود) اللہ تعالیٰ سے (اس بات کا) متمنی اور آرزومند ہو (کہ وہ اس سے راضی ہو، اس کو بخش دے اور اس کو جنت میں داخل کرے)۔ترمذی، ابن ماجہ۔(مظاہر حق ۴/۳۰۷، ط: دار الاشاعت)

دورِ حاضر میں جس طرح دوسری نوعیتوں کے فتنے عام ہیں ''ہوٰی'' کا فتنہ بھی عروج پر ہے، دین سے بے خبر اور دور افتادہ کی بات نہیں، دین کے ذمہ داران اور دین سے باخبر اور قریبی تعلق رکھنے والے ''ہوٰی'' کے فتنے میں مبتلا ہیں اور اتفاقی حرام اور معاصی کو تنکوں کے

سہارے سے جائز سمجھتے ہوئے بے خوف وخطر کر رہے ہیں اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں نے جن گناہوں کو ''ہوٰی'' کی پیروی میں گناہ کی فہرست سے نکال دیا ہے ان کی نشان دہی ہو جائے اور ان کے گناہ اور ناجائز ہونے کو عام فہم دلائل سے واضح کیا جائے۔

اس رسالہ میں یہی کوشش کی گئی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مفید تر بنادیں۔ **تنبیہ ۱**: عبادات کی یقینی قبولیت کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہماری عبادت منکر سے پاک ہو۔ جو عبادت منکرات سے پاک ہوکر کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک کی عبادت اور صدقہ وخیرات قبول ہوئی جبکہ دوسرے کی رد ہوئی، اس پر مردود بھائی نے ناراض ہوکر مقبول بھائی کو دھمکی دی: لَاَقْتُلَنَّكَ کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ جواب میں مقبول بھائی نے کہا: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ کہ تیرے عمل کے مردود ہونے میں میرا کوئی دخل نہیں بلکہ قانونِ خداوندی یہ ہے کہ جو گناہوں سے بچ کر پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو قبول فرماتے ہیں، چونکہ میں نے تقویٰ اور اطاعت کا راستہ اختیار کیا اس لیے میرا عمل قبول ہوگیا اور آپ نے نافرمانی اور گناہ کا راستہ اختیار کیا اس لیے آپ کا عمل مردود ہوگیا۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ عبادات کی یقینی قبولیت کے لیے ایک شرط گناہ چھوڑنا بھی ہے نیز حدیث شریف سے بھی یہ شرط واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

رب صائم ليس له من صيامه الا الجوع ورب قائم ليس له من قيامه الا السهر. رواه ابن ماجة.

ترجمہ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو رات کے جاگنے (کی مشقت) کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

علماء کے اس حدیث کی شرح میں چند اقوال ہیں:

اول یہ کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دن بھر روزہ رکھ کر مالِ حرام سے افطار کرتا ہے کہ جتنا ثواب روزہ کا ہوا تھا اس سے زیادہ گناہ حرام مال کھانے کا ہوگیا اور دن بھر بھوکا رہنے کے سوال اور کچھ نہ ملا۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا ہے لیکن غیبت میں مبتلا رہتا ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ روزہ کے اندر گناہ وغیرہ سے احتراز نہیں کرتا۔

نبی کریم ﷺ کے ارشادات جامع ہوتے ہیں، یہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں اور ان کے علاوہ بھی اسی طرح جاگنے کا حال ہے کہ رات بھر شب بیداری کی مگر تفریحاً تھوڑی سی غیبت یا کوئی اور حماقت بھی کرلی تو وہ سارا جاگنا بیکار ہوگیا۔ مثلاً صبح کی نماز ہی قضاء کردی یا محض ریاء اور شہرت کے لیے جاگا تو وہ بیکار ہے۔ (فضائل اعمال، ص:۶۶۰)

اس واقعہ اور حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات کے یقیناً مقبول ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ عبادات منکرات سے خالی ہوں اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی عبادات کو تمام منکرات سے پاک کرنے کی کوشش کریں خصوصاً وہ منکرات جو اس رسالہ میں مذکور ہیں اور جو گناہ کی فہرست سے نکال کر کیے جاتے ہیں۔

الحاصل! گناہ کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ مثبت عبادات بے جان اور بے اثر رہ جاتی ہیں۔ ایک بندہ راتوں کو اٹھ کر بے خوابی کی مشقت اٹھا کر تہجد پڑھتا ہے اور مختلف ریاضتیں اور مشقتیں اٹھاتا ہے لیکن منکرات اور گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کی یہ ساری ریاضتیں رائیگاں ہوکر رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا ان ریاضتوں اور عبادتوں کو بار آور بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ہر گناہ سے خصوصاً وہ گناہ جو ہویٰ پرستی کی بنیاد پر جائز سمجھ کر کیے جاتے ہیں ان سے مکمل اجتناب کریں۔

تنبیہ۲:

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا. (الاسراء: ۱۹)

اور جو شخص آخرت کے ثواب کی نیت رکھے گا اور اس کے لیے جیسی سعی کرنی چاہیے ویسی ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مؤمن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی کی یہ سعی مقبول ہوگی۔

(بیان القرآن ۲/۳۷۲، ط: رحمانیہ)

اس آیت کریمہ نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی اور مقبولیت کی چار شرطیں ہیں یعنی جو اعمال آخرت میں کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا کے لیے کیے جاتے ہیں اگر ان میں درج ذیل چار شرطیں پائی جارہی ہیں تو مقصد حاصل ہوگا ورنہ نہیں:

(۱) تصحیح نیت یعنی خالص ثوابِ آخرت کی نیت ہونا جس میں اغراضِ نفسانی شامل نہ ہوں۔

(۲) اس نیت کے لیے عمل اور کوشش کرنا، صرف نیت و ارادہ سے کام نہیں ہوتا جب تک اس کے لیے عمل نہ کرے۔

(۳) تصحیح عمل یعنی سعی و عمل کا شریعت اور سنت کے مطابق ہونا کیونکہ مقصد کے خلاف سمت میں دوڑنا اور کوشش کرنا بجائے مفید ہونے کے مقصد سے اور دور کر دیتا ہے۔

(۴) سب سے اہم اور سب کا مدار ہے وہ ہے تصحیح عقیدہ یعنی ایمان ہے۔

ان شرائط کے بغیر کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں۔ (معارف القرآن ۵/۴۶۰)

لفظ ''سعیھا'' کا فائدہ اور تصحیح عمل:

اس آیت میں سعی و عمل کے ساتھ لفظ ''سعیھا'' بڑھا کر یہ بتلا دیا ہے کہ ہر عمل اور ہر کوشش نہ مفید ہوتی ہے اور عند اللہ مقبول بلکہ عمل و سعی وہی معتبر ہے جو مقصد (آخرت) کے مناسب ہو اور مناسب ہونا یا نہ ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہی معلوم ہو سکتا ہے اس لیے جو نیک اعمال خود رائی اور منگھڑت طریقوں سے کیے

جاتے ہیں جن میں بدعات میں عام رسوم شامل ہیں وہ دیکھنے میں کتنے ہی بھلے اور مفید نظر آئیں مگر آخرت کے لیے سعی مناسب نہیں اس لیے نہ وہ اللہ تعالی کے نزدیک مقبول ہیں اور نہ آخرت میں کارآمد۔

اور تفسیر روح المعانی میں ''سعیھا'' کی تشریح میں سعی کے مطابق سنت ہونے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمل میں استقامت بھی ہو یعنی عمل مفید، مطابقِ سنت بھی ہو اور اس پر استقامت اور مداومت بھی ہو، بدنظمی کے ساتھ کبھی کیا اور کبھی نہ کیا اس سے پورا فائدہ نہیں ہوتا۔(معارف القرآن ۵/۴۶۱)

معارف القرآن کی بیان کردہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مقصد خیر یعنی اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی اور آخرت میں سرخ روئی کے لئے جو اعمال کئے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ اعمال جو اس مقصد کے مناسب ہوں۔

(۲) وہ اعمال جو اس مقصد کے مناسب نہ ہوں۔

پہلی قسم کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں اور ان سے مقصد حاصل ہوگا اور دوسری قسم کے اعمال سے نہ مقصد حاصل ہوگا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی قیمت ہے۔

اعمال کا مناسبِ مقصد ہونے یا نہ ہونے کی پہچان کا مدار :

اس کا مدار شریعت ہے یعنی جو عمل قرآنِ کریم کی آیت یا حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہو یا حضراتِ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جو ماہرینِ شریعت ہیں نے نصوص اور قواعد سے مستنبط کر کے فقہ میں کا لکھا ہو وہ عمل مقصدِ خیر کے مناسب ہے اور جس کا نہ نص قرآن و نصِ حدیث میں ذکر ہے اور نہ ہی فقہ میں اس کا جواز مذکور ہے تو یہ عمل مقصدِ خیر کے مناسب نہیں۔

الحاصل : جو شریعت کے مطابق ہے وہ عمل مناسب ہے اور غیر فقہی اور غیر مجتہد کا گڑھا ہوا اور اس کی رائے کا پیداوار عمل نامناسب ہے۔

''ہوٰی'' کا کمال :

یہ بھی ''ہوٰی'' کا کمال اور جادو ہے جس نے آج نامناسب اور رائے سے گڑھے ہوئے بلکہ اتفاقی منکرات کو بھی مناسب اور شریعت کی مطابق باور کرا کر منوایا ہے، ''ہوٰی'' کے اس کمال کا اندازہ کتاب میں لکھے ہوئے مسائل سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ بطورِ نمونہ کتاب کے بعض مسائل پر مختصر تبصرہ ملاحظہ ہو:

(۱) نام نہاد اسلامی بینکاری : اس میں جتنے معیاراتِ نفع کے نام سے ایک دوسرے کا مال ناحق کھانے کے لیے بیان کیے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہ نص میں ہے اور نہ ہی فقہ میں بلکہ فقہ میں ان کا رد ہے اجماعاً و اتفاقاً......یا......عندالجمھور...... یا...... فی القول المفتی بہ والراجح۔

(تفصیل کے لیے اگلے صفحات میں اصل مضمون یا ہماری کتاب ''چار مسائل'' اور ''غیر سودی بینکاری ایک منصفانہ علمی جائزہ'' ملاحظہ ہو)

(۲) تکافل : جس کو اسلامی بیمہ اور اسلامی انشورنس کہا جاتا ہے......اس کی بنیاد (جو کہ وقف ہے) کے ثبوت اور اس کے ذریعے چندے کی بھیک کو حلال کرنے کے لیے جو کچھ قواعد اور معاییر پیش کیے گئے ہیں وہ بھی ایسے ہیں جن کی نہ کتاب اللہ میں تصریح ہے اور نہ ہی سنتِ رسول اللہ ﷺ میں ان کا ذکر ہے اور نہ ہی حضراتِ فقہاءِ کرام اور ائمہ مجتہدین رحمھم اللہ تعالیٰ نے ان کو مستنبط کیا ہے، بلکہ ان میں سے اکثر کا خلافِ شرع ہونا فقہ میں مصرح ہے۔

(تفصیل کے لیے اگلے صفحات میں اصل مضمون یا ہماری کتاب ''چار مسائل'' اور ''مروجہ تکافل اور شرعی وقف'' ملاحظہ ہو)

(۳) ڈیجیٹل تصویر : اس کے جواز کے لیے جو امور پیش کیے گئے ہیں یہ سب جدیدیت کی پیداوار ہیں، قرآن و حدیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حدیث اور ماہرین شریعت نے تو تصویر کی حرمت کی علت ''المضاہاۃ لخلق اللہ تعالیٰ'' بتلا کر قیامت تک آنے جاندار کی ہر وہ

شبیہ جس میں انسان کی صنعت واختیار کا دخل ہے کو حرام قرار دیا ہے۔

(تفصیل کے لیے اگلے صفحات میں اصل مضمون یا ہماری کتاب ''چار مسائل'' اور ''ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ کا حکم'' ملاحظہ ہو)

(۴) تصویر اور فلم کے ذریعے تبلیغ کرنا : ان کے وجود پر جن باتوں سے استدلال کیا گیا ہے وہ ساری محض ذہنی اختراع ہیں، مستند اور مضبوط بات اس سلسلے میں کسی کے پاس بھی نہیں، کیونکہ اکابر علیہم الرحمۃ کا اعلان ہے ''ہم اس تبلیغ کے مکلّف ہی نہیں''۔

(تفصیل کے لیے اگلے صفحات میں اصل مضمون یا ہماری کتاب ''چار مسائل'' اور ''ڈیجیٹل تصویر'' ملاحظہ ہو)

(۵) کرنسی کا مبادلہ اور ہنڈی کا کاروبار: اس میں قمار، سود اور بیع الکالی بالکالی جیسے خلافِ شرع امور کے پائے جانے کے باوجود ایسے دلائل سے جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے جن کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں۔

(تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''چار مسائل'' اور ''کرنسی اور ہنڈی وحوالہ کے کاروبار کی شرعی حیثیت'' ملاحظہ ہو)

الحاصل! اللہ تعالیٰ نے ''**سعیھا**'' کا لفظ نازل فرما کر سارے نامناسب اور خلاف شرع اعمال اور معاییر وقواعد وضوابط کا رد فرمایا اور یہ بتایا کہ ان جیسے اعمال ومعاییر کی نہ تو میرے ہاں کوئی قیمت ہے اور نہ ہی ان سے کسی کو مطلوب خیر حاصل ہوگا۔

''ہویٰ'' نے اس صریح لفظ کے واضح مفہوم سے بھی ہمیں ہٹا کر من گھڑت اور نامناسب طریقوں پر ڈالا اور وہ بھی جائز اور مفید باور کرا کے...... یہی وجہ ہے کہ جدیدیت کے پرستاروں سے اکثر یہی سنا جاتا ہے کہ...... میری رائے یہ ہے...... اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ صورت...... اجتہادی...... ہے جس میں دوسروں کی رائے اگرچہ عدم جواز کی ہے لیکن ہماری رائے جواز کی...... اپنی رائے سے تفسیری نکات بیان کرنا۔

اس آیت کے لفظ ''**سعیھا**'' سے ثابت ہوا کہ...... میری رائے یہ ہے...... میں ایک رتی برابر بھی وزن نہیں خصوصاً وہ رائے جو حضراتِ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے خلاف ہے۔

نیز اجتہادی مسائل میں جواز وعدمِ جواز کا فیصلہ مجتہد اور فقیہ کا کام ہے، ہم نے اپنے آپ کو کیسے مجتہد اور فقیہ سمجھا اور وہ بھی اتنا بڑا کہ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اتفاق کے خلاف اجتہاد کر رہے ہیں۔

تفسیری نکات بیان کرتے وقت اس پر غور نہ کیا کہ ایک مفسر کے لیے جن شرائط کا ہونا ضروری ہے اُن سے ہم عاری ہیں تو اپنی رائے سے الگ تفسیر کرنے کا کیا حق؟

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صحیح سمجھ، علم اور اس کے مطابق عمل عطاء فرمادے اور ہویٰ پرستی سے بچا کر دین کی حفاظت واشاعت کے لیے بھی قبول فرمادے۔

آمین ثم آمین

(مفتی) احمد ممتاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''ہَوَیٰ'' کا معنی اور مذمت

أَفَرَأَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡ بَعۡدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ. [الجاثية : ۲۳]

''سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفسانی کو بنا رکھا ہے (کہ جو دل میں آتا ہے اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے) اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے (کہ حق کو سنا اور سمجھا بھی مگر نفسانی خواہش کی پیروی سے گمراہ ہوگیا) اور (خدا تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے (یعنی نفس پرستی کی بدولت قبولِ حق کی صلاحیت نہایت کمزور ہوگئی) سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے''۔ (بیان القرآن ۳/۳۸۹، ط: رحمانیہ)

تفسیر: جو شخص محض خواہشِ نفس کو اپنا حاکم اور معبود ٹھہرا لے، جدھر اس کی خواہش لے چلے ادھر ہی چل پڑے اور حق و ناحق کے جانچنے کا معیار اس کے پاس یہی خواہشِ نفس رہ جائے، اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے پھر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ نہ کان نصیحت کی بات سنتے ہیں نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے، ظاہر ہے اللہ جس کو اس کے کرتوت کی بدولت ایسی حالت پر پہنچا دے کونسی طاقت ہے جو اس کے بعد اسے راہ پر لے آئے۔

(تفسیر عثمانی ۶۵۵، ط: دارالاشاعت)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قرآنِ کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے جو شخص خدا کی اطاعت کے مقابلے میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے وہ ہی اس کا معبود

کہلائے گا تو جس شخص کو حلال وحرام اور جائز ناجائز کی پرواہ نہ ہو خدا تعالیٰ نے جس کو حرام کہا ہے وہ اس میں خدا کا حکم ماننے کے بجائے اپنے نفس کی پیروی کرے تو گو وہ اپنے نفس کو زبان سے اپنا معبود نہ کہے مگر حقیقتاً وہی اس کا معبود ہوا۔ اسی مضمون کو کسی عارف نے ایک شعر میں کہا ہے:

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم چند بر خود تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

اس شعر میں خواہشاتِ نفسانی کو بُتوں سے تعبیر کیا ہے جس نے اپنی خواہشات کو ہی امام ومقتداء بنالیا اور ان کے پیچھے چلنے لگا تو گویا یہ خواہشات ہی اس کے بُت ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ زیرِ آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہَوَیٰ ہے یعنی خواہشِ نفسانی۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دانشمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مابعد الموت کے واسطے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے چھوڑ دے اور اس کے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرتا رہے۔

اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری بیماری تمہاری نفسانی خواہشات ہیں ہاں! اگر تم ان کی مخالفت کرو تو یہ بیماری ہی تمہاری دوا بھی ہے۔

(معارف القرآن ۷/۷۸۷، ط: مکتبہ معارف القرآن)

ہَوَیٰ پرستی کا معنی: ''ہَوَیٰ'' کا معنی ہے، خواہشِ نفس اور ''ہویٰ پرستی'' یعنی نفسانی خواہشات کی پیروی۔

ہَوَیٰ کا خطرناک درجہ: اس کا خطرناک درجہ یہ ہے کہ گناہ کو گناہ کی فہرست سے نکال کر کرایا جائے، جس سے نہ توبہ استغفار کا غم وفکر، اور نہ پشیمانی وندامت بلکہ اپنے کو حق پر سمجھ کر بے خوف وخطر کرتا رہے۔ تفسیر روح المعانی میں صراحتاً اس درجہ کا ذکر ہے، آیت مع

التفسیر ملاحظہ ہو:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَو ظَلَمُوا أَنفُسَهُم ذَكَرُوا اللَّهَ فَاستَغفَرُوا لِذُنُوبِهِم وَمَن يَغفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَم يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُم يَعلَمُونَ أُولَئِكَ جَزَاؤُهُم مَغفِرَةٌ مِن رَبِّهِم وَجَنّٰتٌ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَنِعمَ أَجرُ العَامِلِينَ. [آل عمران: ۱۳۵، ۱۳۶]

ترجمہ: ایسے لوگ (ہیں) کہ جب کوئی ایسا کام کرگزرتے ہیں جس میں (دوسروں پر) زیادتی ہو یا (کوئی گناہ کرکے خاص) اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو (معاً) اللہ تعالیٰ (کی عظمت اور عذاب) کو یاد کرلیتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں (یعنی اس طریقہ سے جو معافی کے لیے مقرر ہے کہ دوسروں پر زیادتی کرنے میں ان اہل حقوق سے بھی معاف کرائے اور خاص اپنی ذات کے متعلق گناہ میں اس کی حاجت نہیں اور اللہ تعالیٰ سے معاف کرانا دونوں میں مشترک ہے) اور (واقعی) اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو (رہا اہل حقوق کا معاف کرنا سو وہ لوگ اس کا اختیار تو نہیں رکھتے کہ عذاب سے بھی بچالیں اور حقیقی بخشش اسی کا نام ہے) اور وہ لوگ اپنے فعل (بد) پر اصرار (اور ہٹ) نہیں کرتے اور وہ (ان باتوں کو) جانتے (بھی) ہیں (فلاں کام ہم نے گناہ کا کیا اور یہ کہ توبہ ضرور ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ غفار ہے۔ مطلب یہ کہ اعمال کی بھی درستی کرلیتے ہیں اور عقائد بھی درست رکھتے ہیں) ان لوگوں کی جزاء بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور (بہشت کے) ایسے باغ ہیں کہ ان کے (درختوں اور مکانوں کے) نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (اور اسی مغفرت اور جنت کی تفصیل کا شروع آیتوں میں حکم تھا بیچ میں اس کا طریقہ بتلایا، ختم پر اس کا وعدہ فرمایا) اور (یہ) اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا (وہ کام استغفار اور حسنِ اعتقاد ہے اور استغفار کا متمم آئندہ طاعات کی پابندی ہے جس پر عدمِ اصرار دلالت کرتا ہے)۔ (بیان القرآن ۱/۲۸۳، ط: رحمانیہ)

قال العلامة آلوسی رحمه الله تعالیٰ: وأخرج الترمذی عن

عطاف بن خالد أنه قال: بلغنی أنها لما نزلت صاح إبلیس بجنوده وحثا علی رأسه التراب ودعا بالویل والثبور حتی جاءته جنوده من کل بر وبحر، فقالوا: ما لک یا سیدنا؟ قال: آیة نزلت فی کتاب الله لا یضر بعدها أحداً من بنی آدم ذنب، قالوا: وما هی؟ فأخبرهم، قالوا: نفتح لهم باب الأهواء فلا یتوبون ولا یستغفرون ولا یرون إلا أنهم علی الحق فرضی منهم بذلک.

(روح المعانی ۲/۲۷۴، ط: دار الکتب العلمیة بیروت)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عطاف بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو شیطان اپنے لشکروں کو چیخنے اور آواز دینے لگا اور سر پر مٹی پھینکنے لگا اور موت و ہلاکت پکارنے لگا، یہاں تک کہ ہر خشکی اور سمندر سے اس کے سارے لشکر جمع ہوگئے، اور پوچھنے لگے: اے ہمارے سردار! آپ کو کیا ہوا؟ کہا: اللہ کی کتاب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کے بعد اب بنی آدم میں سے کسی کو گناہ کوئی نقصان نہیں دے گا (کیوں کہ گناہ کرکے توبہ واستغفار کرکے معاف اور پاک وصاف ہوجائیں گے) انہوں نے کہا: کونسی آیت؟ ابلیس نے وہ آیت بتائی، اس پر لشکر نے کہا ”ہم ان کے لیے ”ہَوَیٰ پرستی“ یعنی خواہش پرستی کا دروازہ کھول دیں گے پس وہ نہ توبہ کریں گے، نہ استغفار کریں گے (بلکہ) اپنے آپ کو حق پر سمجھیں گے (اور بے خوف وخطر گناہوں کو جائز سمجھ کر کرتے رہیں گے) اس پر شیطان ان سے راضی اور خوش ہوگیا“۔

دیکھیے! اس عبارت میں ”ہویٰ“ کا یہ خطرناک درجہ صراحۃً مذکور ہے کہ انسان گناہ کو گناہ کی فہرست سے نکال کر کریں گے......اور یہ درجہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنے کے درجہ سے زیادہ برا ہے، کیونکہ گناہ کو جائز سمجھنا بہت ہی زیادہ خطرناک ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے خاص فضل وکرم سے ”ہویٰ“ کے جال سے بچائیں۔

﴿ہوٰی کی بناء پر کیے جانے والے چند گناہ﴾

(جو جائز سمجھ کر کیے جاتے ہیں)

﴿١﴾ خالص سیاہ خضاب..........

عوام کیا؟ آج مقتدا لوگ بھی سیاہ خضاب کو جائز سمجھ کر لگاتے ہیں اور لگا کر منبر پر دین سکھاتے ہیں حالانکہ خالص سیاہ خضاب ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے اور لگانے والا فاسق ہے جس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

سیاہ خضاب سے متعلق چند احادیث:

(١) عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَكُونُ قَومٌ يَخضِبُونَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الحَمَامِ لَا يَرِيحُونَ رَائِحَةَ الجَنَّةِ. (سنن ابی داؤد ٢/٢٢٢، ط:سعید)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخر زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ رنگ کا خضاب کریں گے، یہ جنت سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گے۔

(٢) وَعَن أَبِي الدَّردَاءِ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَن خَضَبَ بِالسَّوَادِ سَوَّدَ اللّٰهُ وَجهَهُ يَومَ القِيَامَةِ.

(مجمع الزوائد ٥/١٦٣، ط:مكتبة القدسي القاهرة)

حضرت ابودرداء ؓ سے مرفوعاً منقول ہے: جو شخص سیاہ خضاب کرے گا اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کا چہرہ سیاہ کر دیں گے۔

(٣) أَوَّلُ مَن خَضَبَ بِالحِنَّاءِ وَالكَتَمِ إِبرَاهِيمُ وَأَوَّلُ مَنِ اختَضَبَ بِالسَّوَادِ فِرعَونُ. فر وابن النجار عن أنس.

(كنز العمال ٦/٦٦٨، ط:مؤسسة الرسالة)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: سب سے پہلے مہندی اور کتم سے خضاب حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے کیا اور سب سے پہلے سیاہ خضاب فرعون نے کیا۔

(٤) وَعَن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ: كُنَّا يَوماً عِندَ النَّبِيِّ ﷺ فَدَخَلَت عَلَيهِ اليَهُودُ فَرَآهُم بِيضَ اللُّحَى فَقَالَ: مَا لَكُم لَا تُغَيِّرُونَ. فَقِيلَ: إِنَّهُم يَكرَهُونَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لٰكِنَّكُم غَيِّرُوا وَإِيَّايَ السَّوَادَ.

(مجمع الزوائد ٥/٢٨٧، ط:دار الفكر بيروت)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: ہم ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس تھے، آپ ﷺ کے پاس کچھ یہودی آئے، آپ ﷺ نے ان کی سفید داڑھیاں دیکھیں تو فرمایا: تم انہیں (خضاب کے ذریعے) بدلتے کیوں نہیں؟ پس کہا گیا: یہ لوگ ایسا کرنا ناپسند کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لیکن تم (خضاب کے ذریعے) بدل لو اور سیاہ رنگ سے بچو۔

(٥) وَعَنِ ابنِ عَبَّاسٍ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَومٌ يُسَوِّدُونَ أَشعَارَهُم لَا يَنظُرُ اللّٰهُ إِلَيهِم.

(مجمع الزوائد ٥/٢٨٨، ط:دار الفكر بيروت)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے بالوں کو کالا کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے۔

(٦) عَن جَابِرِ بنِ عَبدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ: أُتِيَ بِأَبِي قُحَافَةَ يَومَ فَتحِ مَكَّةَ وَرَأسُهُ وَلِحيَتُهُ كَالثَّغَامَةِ بَيَاضًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيءٍ وَاجتَنِبُوا السَّوَادَ. (صحيح مسلم ٢/١٩٩، ط:قديمی)

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں: فتح مکہ کے دن ابوقحافہ ؓ کو لایا گیا، ان کے سر اور داڑھی کے بال ''ثغامۃ'' (ایک قسم کے سفید پودے) جیسے سفید تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس (سفیدی) کو کسی چیز سے تبدیل کر دو اور کالے رنگ سے بچو۔

قَالَ العَلَّامَة بَدرُ الدِّينِ العَينِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ: اَلنَّوعُ الثَّانِي فِيمَا

يُصبَغُ بِهٖ وَاختُلِفَ فِيهِ فَالجُمهُورُ عَلٰى اَنَّ الخِضَابَ بِالحُمرَةِ وَالصُّفرَةِ دُونَ السَّوَادِ ، لِمَا رُوِىَ فِيهِ مِنَ الاَخبَارِ المُشتَمِلَةِ عَلَى الوَعِيدِ.

(عمدة القارى ۱۵/۹۷،ط: دار الفكر بيروت)

ترجمہ: علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دوسری قسم ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے خضاب کیا جائے گا، اس میں اختلاف ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ خضاب سرخ یا پیلے رنگ سے ہوگا نہ کہ سیاہ رنگ سے اس وجہ سے کہ سیاہ رنگ سے خضاب کے بارے میں احادیث میں وعید مروی ہے۔

وَقَالَ المُحَدِّثُ اَحمَد عَلِى السَّهَارَنفُورِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى حَاشِيَتِهٖ عَلَى البُخَارِى تَحتَ قَولِهٖ ﷺ : اِنَّ اليَهُودَ وَالنَّصَارٰى لَايَصبِغُونَ فَخَالِفُوهُم ....اَمَّا الصَّبغُ بِالسَّوَادِ البَحتِ فَمَمنُوعٌ.

(صحيح البخارى ۲/۸۷۵،ط:قديمى)

ترجمہ: محدث احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری کے حاشیہ میں نبی کریم ﷺ کے فرمان ......''یہود ونصاریٰ خضاب نہیں لگاتے تھے پس ان کی مخالفت کرو''...... کے تحت فرماتے ہیں: پس خالص سیاہ خضاب لگانا ممنوع ہے۔

وَقَالَ المُلّا عَلِى القَارِى رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى : قَالَ النَّوَوِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: فِى الخِضَابِ اَقوَالٌ ، اَصَحُّهَا اَنَّ خِضَابَ الشَّيبِ لِلرَّجُلِ وَالمَرأَةِ يُستَحَبُّ ، بِالسَّوَادِ حَرَامٌ.

(مرقاة المفاتيح ۸/۲۷۶،ط:رشيديه)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: خضاب کے بارے میں چند اقوال ہیں، ان اقوال میں سے اصح قول یہ ہے کہ بالوں کی سفیدی کو خضاب لگانا مرد وعورت کے لیے مستحب ہے، سیاہ رنگ سے خضاب لگانا حرام ہے۔

وَقَالَ العَلَّامَةُ عَالِمُ بنُ العَلَاءِ الاَنصَارِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى : وَاَمَّا الخِضَابُ بِالسَّوَادِ فَمَن فَعَلَ ذٰلِكَ مِنَ الغُزَاةِ لِيَكُونَ اَهيَبَ فِى عَينِ

العَدُوِّ فَهُوَ مَحمُودٌ مِنهُ اِتَّفَقَ عَلَيهِ المَشَايِخُ وَمَن فَعَلَ ذٰلِكَ لِيُزَيِّنَ نَفسَهُ لِلنِّسَاءِ وَلِيُحَبِّبَ نَفسَهُ اِلَيهِنَّ فَهُوَ مَكرُوهٌ وَعَلَيهِ عَامَّةُ المَشَايِخِ. (التتارخانية ۱۸/۲۱۴،ط:فاروقيه)

علامہ عالم ابن علاء انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پس سیاہ خضاب لگانا جو مجاہدین میں سے ایسا کرے تاکہ دشمن کی آنکھ میں بارعب دکھائی دے تو یہ اچھی بات ہے، اس پر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے، اور جو سیاہ خضاب اس لیے لگائے تاکہ اپنے آپ کو عورتوں کے لیے مزین کرے اور تاکہ ان کے ہاں اپنے کو اچھا دکھائے یہ مکروہ تحریمی ہے، اسی پر عام مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

فتاویٰ:

(۱) سیاہ خضاب کی حرمت پر اجماع مذاہب اربعہ:

حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

سیاہ خضاب کی حرمت پر مذاہب اربعہ کا اجماع ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۸/۳۶۳)

(۲) سیاہ خضاب گناہِ کبیرہ ہے:

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

خضاب سیاہ کردن ممنوع وگناہ کبیرہ است۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ۴/۳۵۱، ط: رشیدیہ)

(۳) سیاہ خضاب حرام ہے:

حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ (امداد الفتاوی ۴/۲۱۸)

(۴) سیاہ خضاب لگانے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے:

جو سیاہ خضاب لگائے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ۳/۱۸)

(۵) سیاہ خضاب لگانے والا فاسق ہے:

حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

سیاہ خضاب لگانے والا فاسق ہے، لہٰذا ایسے امام کی اقتداء میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔(احسن الفتاوی ۳/۲۹۴)

(٦) سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے:

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے، احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔(فتاوی رحیمیہ ۶/۲۹)

دوستو! ان سیاہ خضاب لگانے والوں سے کوئی پوچھے! کہ یہ ناجائز ہے یا جائز؟ تو ''ہوٰی'' کا جو فتویٰ ہے، وہی بتائیں گے کہ جائز ہے۔ یہ نہیں کہیں گے کہ، ہے تو ناجائز ......جیسے اکابر علیہم الرحمۃ نے فتاویٰ میں لکھا ہے......اور ہم گناہ کر رہے ہیں۔ کیوں کہ پھر تو توبہ واستغفار کی توفیق وامید ہے اور یہ شیطان کو برداشت نہیں، اس لیے ہویٰ اور خواہشِ نفس نے اس گناہ کو بھی گناہ کی فہرست سے نکال باہر کر دیا تا کہ یہ گناہ لوگ جائز سمجھ کر کرتے رہیں اور کبھی توبہ واستغفار کا خیال تک نہ آئے۔

تنبیہ : بعض لوگ براؤن یا ڈارک براؤن رنگ خرید کر استعمال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے کالا رنگ استعمال نہیں کیا لہٰذا ہم سیاہ رنگ کے گناہ سے بچ گئے ہیں، جبکہ شریعت کے حکم کا مدار رنگ کے نام پر نہیں بلکہ اس کے حاصل اور نتیجے پر ہے ،جس رنگ سے بال سیاہ ہو جاتے ہیں اس کا نام براؤن ہو یا ڈارک براؤن وہ ناجائز اور حرام ہے، اور جس رنگ سے بال خالص سیاہ نہیں ہوتے بلکہ براؤن ہو جاتے ہیں، اس کا استعمال جائز ہے خواہ اس کا نام کچھ بھی ہو۔

﴿۲﴾ تصویر...........

ہَوٰی نے جاندار کی تصویر میں سے تصویر کی بعض قسموں کو تصویر سے نکال کر اس حیلہ اور بہانے سے جائز قرار دیا کہ عکس اور ظل کی دو قسمیں ہیں: ایک محبوس، دوسری غیر محبوس ......ڈیجیٹل تصویر، عکس اور ظل محبوس ہے اور عکس وظل جائز تو ان کی دونوں قسمیں بھی جائز۔ کبھی رنگوں اور روشنی کے ذرات کا حیلہ اور بہانہ کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور آج ہم دھڑا دھڑ بے خوف وخطر ہو کر بجائے گناہ کے جائز سمجھ کر بنواتے رہتے ہیں، جبکہ حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جو ماہرینِ شریعت ہیں انہوں نے جاندار کی شبیہ کی حرمت کی علت ''مضاہاۃ لخلق اللہ'' (انسان کا اپنے اختیار، عمل اور صنعت سے صفتِ تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی نقالی کرنا) کو قرار دے کر جاندار کی ہر وہ شبیہ جس کے بننے میں انسان کے اختیار اور عمل کا دخل ہو......کی صنعت اور بنانے کو حرام قرار دیا......خواہ اس شبیہ کو عکس اور ظلِ محبوس کہا جائے یا تصویر اور نیلی پیلی سیاہی سے بنائی جائے یا روشنی کے ذرات سے۔

آج ہر اسکرین خواہ ٹی وی کی ہو یا سینما اور کمپیوٹر وموبائل وغیرہ کی ہو، آپ کو اس پر جاندار کی چمکتی دمکتی، جاذب تصاویر جو نظر آتی ہیں ان کو ''ہَوٰی'' نے جائز قرار دیا ہے جبکہ حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ نے علتِ حرمت کی صراحت کروا کر بلکہ خود آپ ﷺ سے اس علتِ حرمت کی صراحت کروا کر ان کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس!!! مندرجہ بالا آیات وتفاسیر کے پیشِ نظر کیا جو ہم کر رہے ہیں؟ وہ سب جانتے ہیں؟ کہ ہَوٰی کی پیروی کر رہے ہیں یا علتِ حرمت کی......؟ ان کو حرام اور گناہ سمجھ کر رہے ہیں یا گناہ کی فہرست سے نکال کر؟......سب کو معلوم ہے۔

تنبیہ: تصویر سے متعلق ایک مفصل مضمون مرتب کیا گیا ہے جس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ درج ذیل امور ہیں:

(۱) جاندار کی شبیہ کی اقسام اور ان کا حکم

(۲) جاندار کی تصویر پر احادیث میں وارد بعض وعیدات

(۳) عکس اور تصویر میں فرق

(۴) ڈیجیٹل شبیہ سے متعلق بے سند گفتگو اور شبہات مع جوابات

(۵) براہِ راست (Live) منظر بھی تصویر ہے اور حرام ہے

(۶) ٹی وی اور تصویر کے ذریعے دین کی اشاعت کا عدمِ جواز......اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات کی روشنی میں

(۷) تصویر کے ذریعے اشاعتِ دین کے جواز کے بے بنیاد دلائل (شبہات) کے جوابات

افادۂ عام کے لیے اس مفصل مضمون کو بھی اس کتاب کا جزء بنایا جارہا ہے تاکہ جن کو ان چھ امور کی وضاحت مطلوب ہو وہ اسی کتاب میں بآسانی مدلل طور پر ملاحظہ کرسکیں۔

جاندار کی شبیہ محرم کی اقسام:

جاندار کی وہ شبیہ اور شکل جو حرام ہے کی اقسام اور صورتیں یہ ہیں :

(۱) مجسمہ: جس کو بت اور مورتی بھی کہا جاتا ہے۔

دیکھیے! مجسمہ اور بت خود بخود نہیں بنتا بلکہ کسی انسان کی صنعت، عمل اور اختیار سے بنتا ہے اور جس کا مجسمہ اور بت ہے اس کا تابع بھی نہیں ہے، اگر وہ اصل مر کر قبر میں بھی جائے تو بھی اس کی یہ شبیہ جو مجسمہ اور بت کی صورت میں ہے موجود رہے گی، اس لیے یہ بھی شبیہ محرم اور حرام ہے۔

(۲) تصویر: جو کاغذ، دیوار اور لکڑی وغیرہ پر بنی ہو، چونکہ یہ شبیہ بھی انسان کے اختیار اور اس کی صنعت اور عمل سے بنی ہے اور اصل کے تابع بھی نہیں ہے بلکہ اصل کے غائب ہونے کے باوجود یہ موجود رہتی ہے، اس لیے یہ بھی شبیہ محرم اور حرام ہے۔

(۳) سینما کی تصاویر : جو ایک پردے پر بجلی کی روشنی ڈالنے سے اچھلتی کودتی نظر آتی ہیں، یہ شبیہ بھی از اول تا آخر انسان کے اختیار اور اس کی صنعت اور عمل کی محتاج ہے، کیونکہ کیمرے، مشینیں وغیرہ آلات سب انسان بناتا ہے، پھر انسان ہی اسے چلا کر منظر کشی کرتا اور محفوظ کرتا ہے اور اپنی چاہت پر خاص پردے پر دکھاتا ہے، نیز یہ پردے پر رونما ہونے والی تصاویر اصل کے تابع بھی نہیں رہتیں، ان میں سے کئی ایسے بھی ہوتے ہیں جو مر کر دنیا ہی سے چلے گئے ہیں لیکن ان کی یہ شبیہ اور تصویر اب بھی باقی ہے، اس لیے یہ بھی شبیہ محرم اور حرام ہے۔

(۴) ڈیجیٹل تصویر : جو ڈیجیٹل کیمرے سے لے کر ٹی وی، کمپیوٹر اور موبائل وغیرہ کی اسکرین پر دکھائی جاتی ہے، یہ ڈیجیٹل شبیہ اور اس کے آلات بھی انسان کے اختیار اور اس کی صنعت اور عمل سے وجود میں آتے ہیں، اس کیمرے کو انسان ہی اپنے اختیار سے بناتا ہے اور پھر منظر کشی کے وقت خود انسان ہی اس کیمرے کو چلاتا ہے اور منظر کشی کرتا ہے اور اپنے اختیار اور عمل سے محفوظ کرتا ہے اور پھر انسان ہی اپنے اختیار سے جب چاہتا ہے کسی بھی اسکرین پر بجلی کی روشنی ڈال کر دکھاتا ہے، ان میں سے کوئی کام خود بخود خواہ انسان چاہے یا نہ چاہے نہیں ہوتا، سب انسان کے اختیار اور صنعت سے ہوتا ہے، اسی طرح تابعیت بھی نہیں رہتی، کیونکہ جن لوگوں کا یہ منظر بنایا گیا ہے اگر وہ اسکرین کے سامنے نہ بھی ہوں تو بھی ان کی شکلیں اچھلتی، کودتی اور بولتی، ہنستی نظر آتی ہیں، لہٰذا اس کے تصویر ہونے میں بھی کوئی شبہہ نہیں، جس طرح سینما کے پردے پر روشنی کے ذرات سے بنی ہوئی شبیہ اتفاقاً تصویر اور حرام ہے، بعینہ اسی طرح اسکرین پر روشنی کے ذرات سے بنائی جانے والی شبیہ بھی تصویر اور حرام ہے۔

(۵) براہِ راست منظر کشی اور تصویر سازی: جس کو انگریزی میں ''live'' کہا جاتا ہے، جو کہ مثلاً دو موبائلوں کے استعمال کے وقت نظر آتی ہے، ہر بات کرنے والا اپنے موبائل کا کیمرہ چالو کر کے کرا پنے چہرے کو سامنے کر دیتا ہے۔ وہ کیمرہ پہلے اس کی تصویر بناتا ہے پھر اس تصویر کو دوسرے کے پاس بھیجتا ہے جس سے وہ تصویر دوسرے کے موبائل اسکرین پر نظر آتی ہے، یہ شبیہ بھی تصویر اور ناجائز وحرام ہے، کیونکہ موبائل کا کیمرہ انسان کے اختیار اور صنعت سے وجود میں آیا ہے، پھر انسان نے اپنے اختیار سے چالو کیا، پھر انسان کی بنائی ہوئی مشین اور کیمرہ نے اس کی شبیہ بنائی، پھر دوسرے کے پاس بھیجا، سائنس کہتی ہے کہ بدوں بنائے دوسرے کے پاس بھیجنا ممکن ہی نہیں، اسی طرح جس گھڑی شبیہ اور تصویر بناتا ہے اسی گھڑی بناتے ہی وہ شبیہ اپنے اصل کے تابع نہیں رہتی، گویا اس میں انسان کی صنعت بھی ہے اور اصل کے تابع بھی نہیں اس لیے یہ بھی تصویر اور شبیہ محرم اور حرام ہے۔

شبہہ : بعض کو یہاں یہ شبہہ ہوتا ہے کہ یہاں تابعیت ختم نہیں ہوتی کیونکہ جب موبائل کا کیمرہ چہرہ سے ہٹایا جاتا ہے یا موبائل بند کر دیا جاتا ہے فوراً وہ شبیہ اور صورت بھی ختم ہو جاتی ہے، اصل کے ہٹنے سے وہ شبیہ بھی اسکرین سے ختم ہو جاتی ہے۔

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہے شے کا وجود اور ایک ہے اس شے کی بقاء۔ براہِ راست دکھائے جانے والے منظر میں وجود تو ہو جاتا ہے یعنی تصویر بن جاتی ہے، البتہ دکھانے کے ساتھ ہی اس کو مٹا دیا جاتا ہے، اسی طرح بنتی، دِکھتی اور مٹتی رہتی ہے، اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی تختہ سیاہ یا دیوار وغیرہ پر تصویر بنا کر فوراً مٹا دے تو بھی اس کو بنانے کا گناہ ہوگا، البتہ باقی رکھنے کا گناہ نہ ہوگا، کیونکہ بنانے کے بعد اس نے باقی نہیں چھوڑی بلکہ فوراً مٹا دی۔ اسی طرح براہِ راست نظام میں بنانے کا گناہ ہوگا، البتہ باقی رکھنے کا گناہ نہیں ہوگا کیونکہ تصویر بنا کر مٹا دی جاتی ہے۔

(۶) فضائی تصویر : ممکن ہے کہ عنقریب ایسی تصویر بھی آ جائے جو فضاء اور ہوا میں بنائی جائے وہ بھی حرام ہے کیونکہ جاندار کی اس شبیہ کے بنانے والے آلات کیمرہ وغیرہ انسان کی صنعت اور عمل کا نتیجہ ہیں اور پھر ان آلات کا چلانا اور فضاء میں شبیہ بنانا بھی انسان کے اختیار اور عمل کا نتیجہ ہے، گویا اس میں از اول تا آخر انسان کے عمل اور اختیار کا دخل ہے، نیز یہ شبیہ اصل کے تابع بھی نہیں کیوں کہ بنانے والے جب چاہیں گے یہ منظر دکھائیں گے خواہ اس وقت اور اسی جگہ اس منظر کے اصل لوگ موجود نہ بھی ہوں۔ اس لیے یہ بھی شبیہ محرم اور حرام ہے۔

تصویر پر وعیدیں:

حدیث نمبر۱: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا...... قَالَ النَّبِیُّ ﷺ:
مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَاباً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُصَوِّرُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ.

(صحیح البخاری ۹۰۲/۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو ان (جاندار کی) تصویروں کو بناتے ہیں۔

حدیث نمبر۲: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:
أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ.

(صحیح البخاری ۸۸۰/۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو (جاندار چیزوں میں) اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی نقالی کرتے ہیں۔

حدیث نمبر۳: عَنْ مُسْلِمٍ قَالَ كُنَّا مَعَ مَسْرُوقٍ فِی دَارِ يَسَارِ بْنِ نُمَيْرٍ فَرَأَی فِی صُفَّتِهِ تَمَاثِيلَ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

الْمُصَوِّرُوْن. (صحیح البخاری ۲/۸۸۰)

آپ ﷺ فرماتے ہیں: بے شک قیامت کے دن سب سے سخت عذاب (جاندار کی) تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

حدیث نمبر۴: عَنْ أَبِی طَلْحَةَ قَالَ : قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا تَصَاوِيْر. (صحیح البخاری ۲/۸۸۰)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں (شوقیہ) کتا یا (جاندار کی) تصویر ہو۔

حدیث نمبر۵: جَاءَ رَجُلٌ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: اِنِّيْ رَجُلٌ أُصَوِّرُ هٰذِهِ الصُّوَرَ فَأَفْتِنِيْ فِيْهَا فَقَالَ لَهُ: أُدْنُ مِنِّيْ فَدَنَا مِنْهُ ثُمَّ قَالَ: أُدْنُ مِنِّيْ فَدَنَا حَتّٰى وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِهِ وَ قَالَ: أُنَبِّئُكَ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يَجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا، فَتُعَذِّبُهُ فِيْ جَهَنَّمَ، وَ قَالَ: اِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَ مَا لَا نَفْسَ لَهُ. (الصحیح لمسلم ۲/۲۰۲)

ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں تصویر ساز ہوں مجھے اس کے بارے میں فتویٰ عنایت فرمایئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمایا کہ میرے قریب ہو جا، وہ قریب ہوا، پھر فرمایا اور قریب ہو جا، وہ اور اتنا قریب ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: میں آپ کو وہ بات بتا رہا ہوں جو میں نے خود رسول اکرم ﷺ سے سنی ہے، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ہر وہ شخص جو (جاندار کی) تصویر بناتا ہے، جہنم میں جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر میں ایک جان بنائے گا جو اس کو جہنم میں عذاب دے گی، اگر آپ کو یہی تصویر سازی کا پیشہ ہی اختیار کرنا ہے تو درخت اور بے جان چیزوں کی تصویریں بنایا کرو۔

حدیث نمبر۶: أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهٖ شَيْئًا فِيْهِ تَصَالِيْبَ اِلَّا نَقَضَهُ. (صحیح البخاری ۲/۸۸۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتے تھے جس پر (جاندار کی) تصاویر ہوتیں مگر اس شے کو توڑ دیتے۔

تنبیہ: اگر لکڑی وغیرہ پر ہوتی تو اسے توڑ دیتے اور اگر کپڑے وغیرہ پر ہوتی تو کپڑے کو پھاڑ دیتے یعنی اس طرح توڑتے اور پھاڑتے کہ اس کا چہرہ مسخ ہو جاتا۔

حدیث نمبر۷: عَنْ اَبِی الْهَيَّاجِ الْاَسَدِیْ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِیْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهُ. وَفِیْ رِوَايَةٍ : وَلَا صُوْرَةً اِلَّا طَمَسْتَهَا. (الصحیح لمسلم ۱/۳۱۲)

ابوالہیاج اسدی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو! میں تمہیں اس کام کا حکم دے کر بھیجتا ہوں جس کا مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دے کر بھیجا تھا (اور وہ یہ کہ جاندار کی جو) تصویر (نظر آئے اسے مٹادو) مٹائے بغیر مت چھوڑو اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑو مگر یہ کہ اس کو زمین کے برابر کر دو (یعنی ایک بالشت کے قریب کر دو)

حدیث نمبر۸: عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِنَّ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ. (صحیح البخاری ۲/۸۸۰)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک ان لوگوں کو جو (جاندار کی) تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا (اور) ان سے کہا جائے گا ”جو کچھ تم نے بنایا ہے (ان میں روح ڈال کر) ان کو زندہ کرو۔

حدیث نمبر۹: عَنْ أَبِی زُرْعَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِی هُرَيْرَةَ فِی دَارِ مَرْوَانَ فَرَأَى فِيْهَا تَصَاوِيْرَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ خَلْقًا كَخَلْقِیْ فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوْا حَبَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوْا شَعِيْرَةً. (الصحیح لمسلم ۲/۲۰۲)

ابوزرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروان کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے گھر میں تصاویر دیکھ کر فرمایا کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اوراس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو (جاندار) مخلوق (کی تصویریں اس طرح) بناتا ہے جیسے میں بناتا ہوں، پس یہ ایک ذرہ یا غلہ اور جو کے ایک دانے کو بنائیں۔

﴿جاندار کی شبیہ سے متعلق دس امور﴾

﴿۱﴾ جاندار کی شبیہ کی اقسام اربعہ منصوصہ:

آپ ﷺ کے زمانے میں جاندار کی شبیہ کی چار قسمیں تھیں:

۱۔ مجسمہ جس کو مورتی اور بت بھی کہتے ہیں۔

۲۔ تصویر جو کاغذ یا دیوار پر بنائی جاتی ہے۔

۳۔ عکس جو آئینہ، پانی یا کسی بھی چمکدار دھات پر نظر آتا ہے۔

۴۔ ظل یعنی سایہ جو دھوپ میں ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

حکم: ان چار اقسام میں سے پہلی دو قسمیں یعنی مجسمہ اور تصویر حرام ہیں اور آخری دو قسمیں عکس اور سایہ جائز ہیں۔

﴿۲﴾ ڈیجیٹل شبیہ:

آج کل ٹی وی، کمپیوٹر اور موبائل اسکرین پر جو جاندار کی شبیہ نظر آرہی ہے اس کو ڈیجیٹل شبیہ کہا جاتا ہے۔

﴿۳﴾ ڈیجیٹل شبیہ کی حقیقت کی تعیین:

یہ ڈیجیٹل شبیہ اقسامِ اربعہ منصوصہ (مجسمہ، تصویر، عکس اور ظل) میں سے کسی قسم کی حقیقت کا ترجمان اور ان میں داخل ہے یا نہیں؟ ان دو شقوں کے علاوہ کوئی تیسری شق نہیں۔

﴿۴﴾ ڈیجیٹل شبیہ کے غیر منصوص ہونے کا قول اور اس کے حکم کے معلوم کرنے کا طریقہ:

اگر کہا جائے کہ ڈیجیٹل شبیہ اقسام اربعہ منصوصہ میں داخل نہیں بلکہ قسمِ خامس ہے اور غیر منصوص ہے تو پھر اس کا حکم معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ قیاس کے ذریعے اس میں اقسامِ اربعہ میں سے کسی ایک قسم کا حکم ثابت ہوگا، اور قیاس کے ذریعے جو حکم ثابت کیا جاتا ہے اس کا مدار دو باتوں پر ہے:

۱۔ منصوص اور مقیس علیہ میں علت کی تعیین۔

۲۔ مقیس اور غیر منصوص میں علت کا پایا جانا۔

ایک مثال سے وضاحت: شراب حرام ہے، اب ہیروئن اور چرس حرام ہے یا نہیں؟ اس کا حکم اس طرح معلوم کیا جائے گا کہ پہلے شراب کی حرمت کی علت کی تعیین کی جائے گی اور وہ علت ''اسکار اور نشہ آور ہونا'' ہے پھر اس علت کو ہیروئن اور چرس میں دیکھا جائے گا۔ اگر علت ہے تو حرمت کا حکم ہوگا، ورنہ نہیں، چونکہ علت ہے؛ کیونکہ ہیروئن اور چرس بھی مُسکِر ہیں اور ان میں علتِ اسکار موجود ہے، اب شراب کا حکم ہیروئن اور چرس کی طرف متعدی ہوگا اور کہا جائے گا کہ ہیروئن اور شراب علتِ حرمت پائے جانے کی وجہ سے حرام ہیں، اگرچہ کوئی ہیروئن اور چرس کو شراب نہیں کہتا اور نہ شراب کی تعریف ہیروئن اور چرس پر صادق ہے۔

زیرِ بحث مسئلہ میں قیاس کی تفصیل: اقسامِ اربعہ منصوصہ میں دو قسمیں حرام ہیں اور دو جائز، ان میں حرمت کی علت کیا ہے؟

حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حرمت کی علت کی تعیین فرمائی ہے کہ علتِ حرمت ''مضاہاۃ لخلق اللہ'' ہے یعنی اپنے اختیار اور فعل سے صفتِ تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی نقالی کرنا، اب یہ علت اسکرین کی شبیہ میں موجود ہے یا نہیں؟...... ظاہر ہے کہ یہ علت ڈیجیٹل

شبیہ میں از اول تا آخر موجود ہے کیونکہ جس کیمرے کے ذریعے یہ شبیہ بنائی جاتی ہے وہ کیمرہ انسان کے اختیار، عمل اور بنانے کے بعد وجود میں آیا ہے، پھر انسان کے اختیار اور عمل سے چالو ہو کر اس مصنوعی مشین نے شبیہ کو بنایا ہے، پھر انسان کے اختیار اور عمل سے اس شبیہ کو محفوظ کیا ہے، پھر انسان کے اختیار اور عمل سے اس شبیہ کو اسکرین پر دکھایا ہے۔

جب اس میں حرمت کی علت از اول تا آخر ہر مرحلہ میں موجود ہے تو یہ شبیہ بھی از اول تا آخر حرام ہوگی یعنی اس کا بنانا، محفوظ کرنا، اسکرین پر دکھانا پھر ارادہ وقصد سے دیکھنا سب ناجائز وحرام ہوگا۔

﴿۵﴾ علت کی اقسام:

علت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ علتِ مستنبطہ۔ جو حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہو اور نص میں اس علت کا ذکر نہ ہو۔

۲۔ علتِ منصوصہ۔ جس کا ذکر نص میں ہو۔

حکم: علتِ منصوصہ سے اسی درجہ کا حکم ثابت ہوتا ہے جو اس نص سے ثابت ہے اور علتِ مستنبطہ سے ظنی حکم ثابت ہوتا ہے۔

جاندار کی شبیہ سے متعلق جو علتِ حرمت ہے وہ منصوصہ ہے، لہٰذا یہاں فرع اور ڈیجیٹل شبیہ میں جو حکم ثابت ہوگا وہ یقینی ہوگا نہ کہ ظنی۔

﴿۶﴾ ڈیجیٹل شبیہ کو اقسامِ اربعہ میں داخل سمجھنے کا قول اور حکم معلوم کرنے کا طریقہ:

اگر یہ کہا جائے کہ ڈیجیٹل شبیہ اقسامِ اربعہ میں سے بعض اقسام میں داخل ہے......اس صورت میں اس کے حکم کے معلوم ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ جس قسم میں یہ شبیہ داخل ہوگی اسی قسم کا حکم اس کو دیا جائے گا، اگر تصویر میں داخل ہوگی تو تصویر کی طرح حرام ہوگی، اگر عکس و

ظل میں داخل ہوگی تو عکس اور ظل کی طرح جائز ہوگی۔

دخول کا قاعدہ: حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے شبیہِ جائز اور شبیہِ ناجائز کے درمیان فرق کے لیے دو قاعدے اور ضابطے بیان فرمائے ہیں:

۱۔ جو شبیہ اپنی اصل اور ذو شبیہ کے تابع ہے تو تابعیت کے زمانے میں وہ شبیہ عکس وظل میں داخل اور جائز ہے اور جب تابعیت ختم ہو جائے تو پھر وہ شبیہ تصویر میں داخل اور ناجائز ہوگی۔

اسکرین کی شبیہ اپنی اصل اور ذو شبیہ کے تابع ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ تابع نہیں لہٰذا یہ تصویر میں داخل اور حرام ہے۔

۲۔ جو شبیہ اپنے وجود اور بننے میں کسی انسان کے اختیار وصنعت کی محتاج نہ ہو، خود بخود بنتی ہو وہ عکس اور ظل میں داخل اور جائز ہے اور جو شبیہ اپنے وجود اور بننے میں انسان کی صنعت واختیار کی محتاج ہے وہ تصویر میں داخل اور ناجائز ہے۔

اب ڈیجیٹل شبیہ پر غور کریں کہ یہ اپنے وجود اور بننے میں کسی انسان کی صنعت واختیار کی محتاج ہے یا نہیں؟ جواب ظاہر ہے کہ محتاج ہے، لہٰذا تصویر میں داخل اور ناجائز وحرام ہے۔

﴿۷﴾ تصویری اور فلمی تبلیغ کے عدمِ جواز کی وجوہ:

حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بحمد اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ بھی فرما دیا ہے۔ ان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عدمِ جواز کی تین وجوہ ہیں:

۱۔ فلمی اور تصویری تبلیغ کے مسلمان مکلّف نہیں ہیں۔

(ملاحظہ ہو: ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ، ص:۷۳)

۲۔ تصویری اور فلمی تبلیغ کا انجام اللہ تعالیٰ کے احکام کو پامال کرنا ہے۔ (حوالہ بالا)

۳۔ تصویری تبلیغ کا نتیجہ نیک افراد اور گھرانوں کو تباہ وبرباد کرنا ہے۔

(ملاحظہ ہو: ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ، ص:۴۶)

﴿۸﴾ تصویری اور فلمی تبلیغ کے جواز کے شبہات اور ان کے جوابات:

شبہ نمبرا: سب سے بڑا شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جو لوگ خانقاہوں، تبلیغی اجتماعات اور جمعہ کے وعظ و نصیحت نہیں سنتے اور دینی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے، ہم ایسے لوگوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ٹی وی چینل کے ذریعے ہم ایسے لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں۔

جواب(۱): بحمد اللہ تعالیٰ اس شبہ کا جواب بھی پہلے سے دیا گیا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) اس دلیل میں رتی برابر وزن بھی نہیں۔

(ملاحظہ ہو: ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ ص:۷۸)

(۲) یہ دلیل قرآنِ کریم کی ان آیات کے خلاف ہے: اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی . فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی. وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی. [عبس: ۵،۶،۷]

(ملاحظہ ہو: ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ ص:۷۹)

(۳) ایسے بے طلب لوگوں کو اس فلمی اور تصویری تبلیغ سے وہ ہدایت رتی برابر بھی حاصل نہ ہوگی جو قرآن کریم کا اصل مقصد اور اس کو حقیقۃً مطلوب ہے۔

(ملاحظہ ہو: ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ ص:۷۹)

جواب(۲): میڈیا کے ذریعے تبلیغ میں مبلغ صاحب آزاد نہیں ہیں کہ موقع محل کے مطابق جس منکر کا رد اور معروف کا بیان ضروری ہو وہ کر سکیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ میڈیا کے سرپرستوں کی خوشی اور مرضی کے مطابق تبلیغ کرے۔

(ملاحظہ ہو مضمون ''پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے'' مسئلہ تصویر کے آخر میں)

شبہ نمبر۲: کہا جاتا ہے کہ جب عمرہ اور نفلی حج کے لیے تصویر کھنچوا کر جانا جائز ہے تو تبلیغ کے لیے بھی جائز ہوگی۔

جواب نمبر(۱): بقول اکابر مفتیان کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عمرہ اور نفلی حج کے لیے بھی

تصویر نا جائز ہے، البتہ اس کا گناہ لازم کرنے والے پر ہوگا نہ کہ عمرہ اور نفلی حج کرنے والے پر۔ لہٰذا مجوّز صاحب کا یہ قیاس...... قیاس مع الفارق ہے۔

جواب نمبر(۲): ان عبادات تک پہنچنے کا اس کے سوا اور کوئی صورت اور راستہ نہیں جبکہ تبلیغِ دین کی تصویری اور فلمی صورتوں کے سوا متعدد بلا شبہ جائز صورتیں بھی موجود ہیں اور امت کا غم رکھنے والے مسلمان انہی جائز طریقوں سے آج بھی تبلیغ کر رہے ہیں۔

اس جواب کا حاصل بھی یہی ہے کہ مجوّز صاحب کا یہ قیاس... قیاس مع الفارق ہے۔

جواب نمبر(۳): عمرہ اور حج کی حقیقت اور افعال و ارکان میں تصویر کا کوئی دخل نہیں، صرف ان اعمال کی ادائیگی کے محل تک پہنچنے اور ان کے کرنے کی اجازت کا ذریعہ ہیں، اور وہ بھی غیر کی طرف سے جبر اور الزام ہے جبکہ تصویری اور فلمی تبلیغ میں تصویر اور فلم تبلیغ کی حقیقت میں داخل اور اس کا رکن ہیں اور کسی کے جبر و الزام کے بغیر اپنے اختیار سے ہے، اس وجہ سے اسکرین پر تبلیغ کرنے والے بعض مبلغین سے سنا گیا ہے کہ چہرے کے تیور اور ہاتھوں کے اشاروں کا اس تبلیغ میں بڑا دخل ہے، بدوں تصویر کے صرف آواز کے ذریعے سے وہ تبلیغ نہیں ہوتی جو تصویر دکھا کر ہوتی ہے...... اس جواب سے بھی معلوم ہوا کہ مجوّز صاحب کا یہ قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے۔

جواب نمبر(۴): اصول و قواعد کا مقتضا بھی یہی ہے کہ عمرہ اور نفلی حج جو شعائرِ اسلام اور احیائے حق کے قبیل سے ہیں، اگر ان کو قائم کرنے اور باقی رکھنے کے لیے ارتکابِ منکر کے سوا کوئی اور صورت نہ ہو تو شرعاً ان کے احیاء اور قیام کے لیے ارتکابِ منکر کی رخصت ہے ...... اور فلمی و تصویری تبلیغ جو کہ بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ ذریعہ مقصود ہے اور اس کے علاوہ تبلیغ کی جائز صورتیں بھی ہیں تو شرعاً اس فلمی اور تصویری تبلیغ کے ارتکاب کی رخصت نہیں۔

(ملاحظہ ہو تحریر بعنوان ''منکرات کا سیلاب اور ارتکابِ منکر کی رخصت و عدمِ رخصت کا ضابطہ و قاعدہ'' کے تحت سوال و جواب کی تفصیل میں) حاصل اس کا بھی یہی ہے کہ یہ قیاس

......قیاس مع الفارق ہے۔

شبہہ نمبر۳: کہا جاتا ہے کہ جب کرنسی کے نوٹوں پر تصویر جائز ہے اور عام لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں تو تصویر کے ذریعے تبلیغ کرنا بھی جائز ہونا چاہیے۔

جواب نمبر(۱): کرنسی نوٹوں پر تصویر بھی ناجائز ہے اور بنانے والوں کو اس کا گناہ ہوگا البتہ عام مسلمان اس کے استعمال پر مجبور ہیں۔

اس جواب کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے کیونکہ فلمی اور تصویری تبلیغ کو جائز کہا جاتا ہے جبکہ کرنسی کی تصویر ناجائز ہے، نیز تبلیغ کے دوسرے جائز اور مؤثر طریقے بھی ہیں جبکہ کرنسی کی دوسری صورتیں نہیں۔

جواب نمبر(۲): اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** کہ بندہ امورِ اختیاریہ کا مکلّف ہے، امورِ غیر اختیاریہ کا مکلّف نہیں۔ نوٹ کا استعمال غیر اختیاری اور جبری ہے جبکہ فلمی اور تصویری تبلیغ کا راستہ اپنے اختیار سے اپنایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس فرق کے اعتبار سے بھی یہ قیاس......قیاس مع الفارق ہے۔

تنبیہ: اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد کے بھروسہ پر ہمارا عزم ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کے زمانے میں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کرنسی پر کسی جاندار کی تصویر نہیں ہوا کرتی تھی، اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ منصب اور اختیار دیا تو کسی کرنسی پر جاندار کی کوئی تصویر نہ ہوگی۔

﴿۹﴾ ڈیجیٹل شبیہ کو تصویر اور اس کے حکم سے نکالنے پر چند شبہات اور ان کے جوابات:

وہ شبہات جن کے ذریعے اس شبیہ کو تصویر اور اس کی حرمت کے حکم سے نکالا جاتا ہے، وہ شبہات مع جوابات ذیل میں ملاحظہ ہوں:

شبہہ نمبر۱: ڈیجیٹل شبیہ کی مشابہت تصویر کے ساتھ بھی ہے اور عکس کے ساتھ بھی لیکن زیادہ مشابہت چونکہ عکس کے ساتھ ہے اس لیے اس کا حکم عکس کا ہوگا۔

جواب: مدارِ حکم مشابہت نہیں بلکہ علت ہے اور علت کی بنیاد پر بحث......نمبر﴿۴﴾ میں گزری کہ علتِ حرمت ڈیجیٹل شبیہ میں بھی پائی جاتی ہے اس وجہ سے یہ بھی حرام ہے۔

شبہہ نمبر۲: اسکرین پر جو نظر آرہا ہے وہ بجلی کی شعاعیں ہیں، بجلی کے بند کرتے ہی وہ شعاعیں ختم ہوجاتی ہیں۔

جواب(۱): سینما کی تصویر کو سب تصویر سمجھتے تھے اور حرام کہا کرتے تھے جبکہ وہاں بھی پردے پر بجلی کی روشنی اور شعاعوں سے جاندار کی شبیہ بنتی تھی اور جب بجلی بند ہوجاتی، پردہ بالکل صاف ہوجاتا۔

جواب(۲): اگر موبائل اسکرین پر کوئی اپنی بیوی کو طلاق لکھ دے تو سب کا اتفاق ہے کہ اس سے طلاق ہوجاتی ہے جبکہ یہ بھی بجلی کی شعاعیں ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسکرین پر بجلی کی شعاعوں سے بنے ہوئے نقوش کا اعتبار ہے، اور تصویر بھی اسکرین پر نقطوں اور شعاعوں کے مجموعے سے بنا ہوا نقش ہے۔

جواب(۳): اگر کوئی اسکرین پر لکھے ہوئے قرآنِ کریم کی بے ادبی و بے حرمتی کرتا ہے تو اس پر بے ادبی و بے حرمتی کا حکم لگے گا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ کسی نے بھی اس کو جائز نہیں کہا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اسکرین پر شعاعوں سے بنے ہوئے نقوش کا اعتبار ہے۔

شبہہ نمبر۳: کہا جاتا ہے کہ ڈیجیٹل کیمرہ منظر کی صرف معلومات حاصل کرتا ہے، منظر کشی نہیں کرتا اور اس لیے یہ بات درست اور واقع کے مطابق ہے کہ کمپیوٹر وغیرہ کی ڈسک اور حافظے میں کوئی تصویر نہیں ہوتی۔

جواب(۱): معلومات نہیں بلکہ منظر کشی ہوتی ہے اور تصویر ہوتی ہے۔ ڈیجیٹل اور اینالوگ کیمرہ میں اس حد تک تو اتفاق ہے کہ دونوں پوری تصویر اور پورا منظر محفوظ کرتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اینالوگ کیمرہ پوری تصویر لینے کے بعد یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ لے تو پوری تصویر اور دکھائے اس کا کچھ حصہ......جبکہ ڈیجیٹل کیمرہ میں یہ صلاحیت ہے کہ پوری تصویر لے کر اس کے بعض اور کسی حصے کو دکھا سکتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال جو ہمارے

مشاہدہ میں بھی ہے وہ ڈیجیٹل گھڑیاں ہیں جن میں......88:88......کا مکمل نقش اور تصویر ہوتی ہے، پھر ضرورت کے مطابق اس کے مختلف حصوں پر روشنی ڈال کر مطلوبہ عدد دکھایا جاتا ہے۔

جواب (۲): اگر ہم مان لیں کہ ڈسک کے اندر کوئی تصویر نہیں بلکہ بٹن دبانے کے بعد اسکرین پر اپنی معلومات سے تصویر بنتا ہے تو اس میں گناہ زیادہ ہے یعنی بار بار بنانے اور دکھانے کا گناہ ہوگا جس کو حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

اس میں تو اور بھی زیادہ قباحت ہے کہ بار بار تصویر بنانے کا گناہ ہوتا ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۹/۸۹)

شبہہ نمبر۴: کہا جاتا ہے کہ اسکرین کی شبیہ کو قرار و بقاء حاصل نہیں۔

جواب (۱): قرار و بقاء کی تعریف اور حقیقت کیا ہے؟ اگر کوئی کہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ بجلی بند کرنے کے بعد بھی اسکرین پر کچھ دیر باقی رہے تو اس قائل کی خدمت میں گزارش ہے کہ قرار و بقاء کا یہ معنی اور حقیقت کس کتاب میں ہے؟ حوالہ درکار ہے، نیز کتنے منٹ اور دیر تک اس کا باقی رہنا اس قرار و بقاء کے تحقق کے لیے ضروری ہے؟......ہماری معلومات کے مطابق اس کا بھی ثبوت نہیں۔ اذلیس فلیس۔

جواب (۲): قرار و بقاء کا صحیح معنی یہ ہے کہ اصل کی تابعیت سے نکل جائے۔

دیکھیے! اگر کوئی شخص آئینہ کے سامنے ایک گھنٹہ تک کھڑا رہے تو یہاں اس کی شبیہ ایک گھنٹے تک آئینہ میں موجود رہتی ہے، پھر بھی کوئی اس کو یہ نہیں کہتا کہ اس میں قرار و بقاء ہے اور ناجائز ہے کیونکہ یہاں تابعیت باقی ہے البتہ اگر اسی عکس کو کیمرے کی مشین کے ذریعے اپنے اصل سے مستغنی کر کے تابعیت سے نکالا جائے تو اصل کے ہوتے ہوئے بھی کہا جائے گا کہ اس شبیہ کو قرار و بقاء ہے کیونکہ اصل کی تابعیت سے نکل گئی......پس ثابت ہوا کہ قرار و بقاء کا اصل مدار تابعیت کے ہونے نہ ہونے پر ہے۔ جن حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسالہ، رنگ و روغن وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے وہ تابعیت سے نکلنے کی ایک صورت ہے۔ ان حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ تابعیت سے نکلنا صرف اسی میں منحصر ہے۔

جواب (۳): اگر کوئی تختہ سیاہ پر چاک وغیرہ کے ذریعے تصویر بنا کر کپڑے سے فوراً مٹا دے تو بنانے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ جبکہ یہاں بھی بنانے کے بعد جب کپڑا پھیر دیا جاتا ہے تو تصویر کا کوئی نقش باقی نہیں رہتا جیسے اسکرین پر بجلی بند کرنے کے بعد کوئی نقش باقی نہیں رہتا تو کیا اس صورت میں بھی گناہ نہ ہوگا؟ اگر گناہ ہوگا اور ظاہر بھی یہی ہے کہ گناہ ہوگا، پس ماننا پڑے گا کہ اسکرین کی صورت میں بھی گناہ ہوگا۔

شبہہ نمبر۵: بعض نے لکھا ہے کہ عکس اور ظل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ محبوس ۲۔ غیر محبوس

اسکرین پر جاندار کی شبیہ عکس اور ظل ہے البتہ یہ عکسِ محبوس اور ظلِ محبوس ہے اور عکس و ظل جائز ہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

جواب: شریعت میں ہر وہ شبیہ جو انسان کے اختیار اور صنعت کے بعد وجود میں آئے اور اپنی اصل سے مستغنی ہو جائے وہ ناجائز اور حرام ہے، اس لیے کہ اس میں حرمت کی علت ''مضاہاۃ لخلق اللہ'' ہے۔ باقی اس کو کوئی عکسِ محبوس کہے یا غیر محبوس کہے، اس تقسیم اور الفاظ کے ایجاد و اختراع سے حکم نہیں بدلے گا۔

شبہہ نمبر۶: فنِ تصویر سازی فنونِ لطیفہ میں سے ہے، جس میں تخلیق و ایجاد اور صانع کے تخیل کا دخل لازم ہے۔

جواب: اہلِ فنون ہو بہو تصویر کو اگرچہ تصویر نہ کہتے ہوں لیکن شریعت ہر ایک کو تصویر کہتی ہے، خواہ اس میں مصوّر کی ایجاد کا دخل ہو یا نہ ہو اور ہم شریعت کے پابند ہیں نہ کہ کسی فن کی اصطلاحات کے۔

شبہہ نمبر۷: کہا جاتا ہے کہ اسکرین کی شبیہ کا سایہ نہیں ہوتا جبکہ کاغذی تصویر کا سایہ ہوتا ہے، لہٰذا اسکرین کی شبیہ جائز اور کاغذی تصویر ناجائز۔

جواب (۱): یہ کس کتاب میں ہے کہ جاندار کی وہ شبیہ جس کا سایہ نہ ہو وہ جائز اور

جس کا سایہ ہو وہ ناجائز...... بلکہ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تو ذوظل (سایہ دار) اور غیر ذی ظل (غیر سایہ دار) دونوں کو ناجائز فرمایا ہے۔

(ملاحظہ ہو: ڈیجیٹل تصویر اور ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ ص:۹۳،۹۴)

جواب (۲): یہ کہنا کہ ’’کاغذ اور دیوار کی تصویر اور شبیہ کا سایہ ہوتا ہے‘‘...... علمی دنیا میں اتفاقاً واجماعاً غلط بات ہے، کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ کاغذی اور دیواری تصویر میں سایہ کاغذ اور دیوار کا ہوتا ہے تصویر کا نہیں ہوتا اس لیے کہ تصویر سطح پر ہوتی ہے اور سطح عرض ہے جس کا اپنا کوئی الگ جسم نہیں لہٰذا اس کا سایہ ممکن ہی نہیں۔

شبہہ نمبر ۸: کہا جاتا ہے کہ اسکرین کی تصویر چھو نہیں سکتے جبکہ کاغذ کی تصویر چھو سکتے ہیں۔

جواب (۱): یہ تفصیل کس کتاب میں ہے کہ جس کو چھو سکتے ہیں وہ حرام ہے اور جس کو نہیں چھو سکتے وہ جائز ہے۔ اذ لیس فلیس۔

جواب (۲): اگر کوئی کاغذی تصویر پر پلاسٹک کوٹنگ کر دے یا شیشے کے فریم میں بند کر دے تو کیا وہ جائز ہو جائے گی؟

شبہہ نمبر ۹: کہا جاتا ہے کہ اسکرین کی تصویر کو پکڑا نہیں جاسکتا جبکہ کاغذ کی تصویر پکڑی جاسکتی ہے۔

جواب (۱): یہ کس کتاب میں ہے کہ جو تصویر ہاتھ میں پکڑی جاسکتی ہو وہ ناجائز و حرام ہے اور جس کو نہیں پکڑ سکتے وہ جائز ہے۔

جواب (۲): یہ کہنا کہ کاغذی تصویر پکڑی جاتی ہے یہ بھی اتفاقاً واجماعاً غلط بات ہے کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ کاغذی اور دیواری تصویر میں تصویر سطح پر ہوتی ہے اور سطح عرض ہے جس کا اپنا کوئی الگ جسم نہیں لہٰذا اس کا پکڑنا ممکن ہی نہیں، جو پکڑ میں آتا ہے وہ کاغذ ہے نہ کہ تصویر۔

شبہہ نمبر ۱۰: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسکرین پر جو شبیہ نظر آتی ہے اسکرین پر ہی ہے، اندر نہیں ہے۔ آپ موبائل کو کھرچنا شروع کریں، کھرچتے رہیں، اندر کوئی تصویر نہیں ملے گی۔

جواب (۱): تصویر بھی تو صرف سطح پر ہی ہوتی ہے۔

جواب (۲): اسکرین کے پیچھے موبائل یا میموری کارڈ میں اس تصویر کا مادہ موجود ہے اور کمپیوٹر وغیرہ کی ڈسک میں بھی اس اسکرین کی تصویر کا مادہ موجود ہے جبکہ کاغذ اور دیوار کی تصویر کو کھرچتے کھرچتے پار نکل جاؤ گے لیکن تصویر کا کوئی مادہ آپ کو نہیں ملے گا۔

شبہہ نمبر ۱۱: تصویر اس کو کہا جاتا ہے جو سیاہی اور ہاتھ سے بنائی جائے کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے میں ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اور اسکرین کی تصویر سیاہی اور ہاتھ سے نہیں بنائی جاتی۔

جواب (۱): اس فرق کی دلیل کس کتاب میں ہے؟ کس فقیہ علیہ الرحمۃ نے حرمت کو اس کے ساتھ خاص کیا ہے کہ جو تصویر سیاہی یا ہاتھ سے بنے صرف وہ حرام ہے اور مشینوں سے بنانا حرام نہیں؟ اذ لیس فلیس۔

جواب (۲): اینالوگ کیمرہ کی تصویر کی حرمت پر سب اہلِ حق متفق ہیں، جبکہ اس کی تصویر بھی مشین سے بنائی جاتی ہے نہ کہ ہاتھ سے۔

جواب (۳): اگر اس قسم کے بہانوں، حیلوں سے حرام اور ناجائز کو جائز کرنا شروع کر دیا جائے تو کل یہ حیلہ بھی معتبر مانا جائے گا کہ اس رنگ کی سیاہی کی تصویر حرام ہے اور دوسرے رنگوں کی حرام نہیں۔

﴿۱۰﴾ براہِ راست منظر کا حکم:

یہ بھی تصویر ہے جس کا کھینچنا، دیکھنا اور دکھانا ناجائز و حرام ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک ہے شے کا وجود اور دوسرا اس شے کا باقی رہنا، وجود الگ چیز ہے اور بقاء الگ چیز ہے۔

بعض چیزوں کا وجود اور بقاء دونوں جائز ہوتی ہیں اور بعض میں دونوں ناجائز ہوتی ہیں اور بعض میں ایک جائز اور ایک ناجائز۔ مثلاً

(۱) درخت کی تصویر......اس کا وجود اور بقاء دونوں جائز ہیں۔

(۲) فرش پر تصویر (جو پاؤں تلے روندی جاتی ہے)......اس کا وجود ناجائز ہے اور بقاء جائز ہے۔

(۳) اسکرین، دیوار وغیرہما کی بڑی تصویر......اس کا وجود اور بقاء دونوں ناجائز ہیں۔

براہِ راست تصویر (لائیو منظر کشی) نمبر۳ میں داخل ہے، اس کا وجود اور بقاء دونوں ناجائز ہیں، چونکہ اس کا وجود ناجائز ہے اور اس صورت میں تصویر کا وجود ہوتا ہے البتہ بقاء نہیں ہوتی کیونکہ کیمرہ جب تک تصویر لے کر بناتا نہیں، آگے دکھا نہیں سکتا۔ البتہ اس صورت میں بنا کر دکھانے کے بعد وہ مٹ جاتی ہے یا مٹادی جاتی ہے، باقی نہیں رہتی تو اس میں وجود کا گناہ ہے، بقاء کا گناہ نہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی دیوار پر تصویر بنا کر کپڑے وغیرہ سے مٹادے تو اس میں وجود اور بنانے کا گناہ ہے، بقاء کا گناہ نہیں۔

منکرات کا سیلاب اور ارتکابِ منکر کی رخصت وعدمِ رخصت کا ضابطہ وقاعدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ:

آج کل ہمارے معاشرے میں منکرات کا ایک سیلاب ہے، قدم قدم پر منکرات و معاصی پھیلے ہوئے ہیں، پھر بعض ان میں سے اتنے عام اور شائع ہو چکے ہیں کہ ان سے بچنا نہایت مشکل ہے، جیسے منکر تصویر کے ارتکاب کے بہت سے مواضع ومواقع ہیں مثلاً امتحانات کے لیے تصویر کھنچوانا، شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لیے تصویر کھنچوانا، فرض حج یا نفل عمرہ وحج کے لیے تصویر کھنچوانا، تعلیمی ویزے کے حصول کے لیے تصویر کھنچوانا۔ اس کے علاوہ رشوت کا آج کل بہت دور دورہ ہے، ہر محکمہ میں رشوت عام ہے، اگر رشوت نہ دی جائے تو کوئی کام

نہیں ہوتا۔ اسی طرح ٹی وی چینل کے ذریعے تبلیغ کا استعمال عام ہے۔

ایسی صورتحال میں ان منکرات کے ارتکاب کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کی کیا حدود و قیود ہیں؟ براہِ کرم تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔ سائل: مولوی محمد سمیر، لیاری

الجواب باسم ملهم الصواب

اصل جواب سے قبل اقسامِ محرّمات مع الاحکام کی تفصیل اور جن مواضع پر جس قسم کے منکر ومعصیت کے ارتکاب کی رخصت ہے ان کی تعیین ضروری ہے۔

لہٰذا ذیل میں اولاً ان دو امور کو ذکر کیا جاتا ہے اور ثانیاً اِن امور کی روشنی میں زیرِ بحث مسئلہ کی حقیقت اور حکم لکھا جاتا ہے جس سے بآسانی ہر ایک کے لیے یہ اجمال واضح ہو جائے گا:

امرِ اول: اقسامِ محرمات مع الاحکام

محرمات کی تین قسمیں ہیں جن میں سے بعض کی حرمت اکراہ واضطرار کی صورت میں ساقط نہیں ہوتی اور بعض کی ساقط ہو جاتی ہے اور بعض میں عزیمت پر عمل موجبِ اجر وثواب ہے اور بعض میں ناجائز ہے۔

(۱) **حرمة لاتسقط**: (ایسا حرام کام جس کا حرام ہونا کسی بھی صورت میں ساقط اور ختم نہ ہو سکے) جیسے قتل، زنا، جرح وغیرہ۔

حکم: مُکرِہ اور زبردستی کرنے والے کے لیے ان امور پر نہ تو اکراہ، زبردستی اور دوسرے کو مجبور کرنا جائز ہے اور نہ ہی مُکرَہ اور مجبور شخص کے لیے جان بچانے کے لیے ان منکرات کا ارتکاب جائز ہے۔

(۲) **حرمة تسقط والعمل بالرخصة واجب**: (ایسا حرام کام جن کا حرام ہونا بعض صورتوں میں ساقط اور ختم ہو جاتا ہو اور جبر و اضطرار کے سبب اس حرام کا ارتکاب واجب ہو) جیسے اکلِ میتة، خنزیر وشربِ خمر وغیرہ (مردار اور خنزیر کھانا اور شراب

پینا وغیرہ وغیرہ)۔

حکم : اس میں دو قول ہیں:

(۱) اگر کسی کو ان امور کے ارتکاب یعنی اکل وشرب پر مجبور کیا گیا یا اضطراری کیفیت ہو تو جان بچانے کی خاطر اس کے لیے ان امور کا اختیار کرنا جائز بلکہ واجب ہے۔

(۲) ایک قول یہ بھی ہے کہ اس صورت میں بھی اصل حرمت ساقط نہیں ہوتی بلکہ محض وقتی طور پر رخصت اور گنجائش ہے (کما ذکرہ فی روح المعانی ومعارف القرآن)۔ البتہ مُکرِہ اور زبردستی کرنے والا اس صورت میں بھی گنہگار رہوگا۔

(۳) **حرمة لا تسقط ويحتمل فيها دخول الرخصة** :

(ایسا حرام جس کا حرام ہونا ساقط اور ختم نہ ہوسکے البتہ ان میں بعض صورتوں میں ارتکاب کی رخصت کا احتمال اور امکان ہو)

اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) وہ حق اللہ جن کا خارج میں سقوط کا احتمال نہ ہو جیسے ایمان کہ قلباً ولساناً دونوں ضروری ہیں سقوط ممکن ہی نہیں لیکن نص اور حدیث نے اطمینانِ قلب کی صورت میں اقرار باللسان کے ترک کی رخصت دی ہے۔

(۲) وہ حق اللہ جن کا خارج میں سقوط ممکن ہے جیسے عبادات، نماز، روزہ، حج وغیرہ کہ اعذار کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہیں، اگرچہ ہر اہلیت رکھنے والے پر واجب ہیں۔

(۳) حقوق العباد جیسے کسی کا مال ضائع کرنا۔

حکم : ان تینوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ مُکرِہ اور زبردستی کرنے والا ہر صورت میں گنہگار ہے اور مُکرَہ ومجبور شخص کے لیے جان بچانے کی خاطر ترک میں رخصت ہے اور عزیمت میں بہت اجر وثواب ہے اور حقوق العباد میں تلف کی صورت میں ضمان واجب ہے۔

وقال الامام صدر الشريعة عبيد الله بن مسعود الحنفی رحمه الله تعالیٰ فی شرحه علی التنقيح :

والحرمات أنواع : (۱) حرمة لا تسقط بالإكراه ولا تدخلها الرخصة كالقتل والجرح والزنا ؛ لأن دليل الرخصة خوف الهلاک وهما فی ذلک سواء) أی القاتل والمقتول وإذا كان سواء لا يحل للفاعل قتل غيره ليخلص نفسه (وكذا جرح الغير) أی إذا أكره علی جرح الغير بالقتل لا يحل له الجرح (لا جرح نفسه حتی لو أكره علی قطع يده بالقتل حل له ؛ لأن حرمة نفسه فوق حرمة يده ولا كذلک بالنسبة إلی الغير والزنا قتل معنی) فإن ولد الزنا بمنزلة الهالک فإن انقطاع نسبه من الغير هلاک فإن أكره علی الزنا لا يحل له الزنا.

(۲) (وحرمة تسقط كالميتة والخمر والخنزير فالإكراه الملجئ يبيحها ؛ لأن الاستثناء من الحرمة حل) وهو قوله تعالی﴿وقد فصل لكم ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم إليه﴾[الأنعام: ۱۱۹] (حتی إن امتنع أثم لا غير الملجئ) أی لا يبيحها غير الملجئ لعدم الضرورة.

(۳) (وحرمة لا تسقط لكن تحتمل الرخصة وهی إما من حقوق الله التی لا تحتمل السقوط أبدا كإجراء كلمة الكفر فإن الإيمان لا يحتمل السقوط أبدا وإما فی حقوقه تعالی التی تحتمل السقوط فی الجملة كالعبادات فيرخص بالملجئ وإن صبر صار شهيدا وقد مر فی فصل الرخصة وزنا المرأة من هذا القسم إذ ليس فيه معنی قطع النسب بخلاف زناه) أی إذا أكرهت المرأة علی الزنا بالملجئ رخص لها فإن حرمة الزنا عليها حق الله تعالی وليس من باب الإكراه علی قتل النفس إذ فی زنا المرأة ليس قطع النسب إذ لا نسب من المرأة فلا يكون بمنزلة قتل النفس بخلاف زنا الرجل فإنه بمنزلة القتل ؛ لأنه قطع النسب. (ولما رخص زناها بالملجئ لا تحد بغير الملجئ للشبهة ويحد هو) أی إذا أكرهت المرأة علی الزنا بالملجئ يكون زناها مرخصا فينبغی أنها إن زنت بالإكراه بغير

الملجئ يكون في زناها شبهة الرخصة فلا تحد وأما الرجل فزناه لا يرخص بالملجئ فإن زنى بغير الملجئ يحد لعدم شبهة الرخصة (وأما في حقوق العباد كإتلاف مال المسلم وحكمه حكم أخويه) أي في أنه يرخص بالملجئ وإن صبر صار شهيدا. والمراد بأخويه حرمة لا تحتمل السقوط وحرمة تحتمل السقوط لكنها لم تسقط وهما حق الله تعالى (ويجب الضمان لوجود العصمة) والله ولي العصمة والتوفيق وبيده أزمة التحقيق.

(التوضيح مع التلويح ۲/۴۲۲......۴۲۶،ط:قديمي)

امرِ دوم : مواضع الرخصة

مقصودِ محمود کی تحصیل کی خاطر ارتکابِ منکر کی رخصت کی کئی صورتیں ہیں۔

بعض صورتوں میں رخصت پر عمل کرنا صرف جائز اور مباح ہے۔

بعض صورتوں میں رخصت پر عمل کرنا واجب ہے۔

لیکن رخصت کی ہر صورت میں تین شرطوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ رخصت نہ ہوگی اور ارتکابِ منکر حرام ہوگا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ منکر کے ارتکاب کے سوا کوئی اور جائز صورت اور تدبیر و سبیل نہ ہو۔

دوسری شرط یہ کہ ارتکابِ منکر اس کا یقینی مخلص اور راستہ ہو۔

تیسری شرط یہ کہ منکر کے ارتکاب سے ایسا ضرر لازم نہ آتا ہو جو عدم ارتکاب کے ضرر کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہو۔

رخصت کی صورتوں کی تفصیل:

(۱) دفعِ مضرت کے لیے منکر کا ارتکاب:

اس کی بعض صورتوں میں ارتکابِ منکر واجب ہے اور بعض میں صرف رخصت اور اجازت ہے۔

صورِ واجبہ:

(۱) بھوک کی حالت میں جان بچانے کے لیے حرام کھانا واجب ہے۔

(۲) اپنی جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنا یا رشوت دینا واجب ہے۔

(۳) کسی بے گناہ کو دیکھا وہ کسی ظالم سے جان بچانے کے لیے چھپ رہا ہے تو ظالم کے پوچھنے پر اس کی جگہ معلوم ہونے کے باوجود انکار کرنا واجب ہے۔

(۴) کسی کے پاس دوسرے کی امانت ہو اور کوئی ظالم وغاصب اس سے چھیننے کی غرض سے امانت کے بارے میں پوچھے تو انکار کرنا واجب ہے۔

صورِ مرخصہ:

(۱) ظالم کے ظلم اور زیادتی سے بچنے کے لیے رشوت دینا۔

(۲) اصلاح کی غرض سے یعنی دو مسلمانوں میں جھگڑے کی مضرت اور نحوست ختم کرنے کی غرض سے جھوٹ بولنا۔

(۳) شوہر کے لیے بیوی کو راضی کرنے کی غرض سے جھوٹ بولنا۔

(۴) کفار سے جنگ کے موقع پر جنگی مقاصد کے حصول کے لیے جھوٹ بولنا۔

ان تین صورتوں میں صریح جھوٹ کی رخصت اور گنجائش اس وقت ہے جبکہ تعریض اور توریہ سے مسئلے کا حل ممکن نہ ہو۔

(۲) دینی یا دنیوی حق کی تحصیل کے لیے منکر کا ارتکاب:

حق سے مراد وہ حق ہے جس میں چار اوصاف ہوں:

(۱) حق شرعاً مباح اور جائز ہو۔

(۲) وصول کرنے کی کوئی اور جائز صورت (مخلص) نہ ہو۔

(۳) حق کا یقیناً مستحق ہو یعنی سببِ استحقاق اس میں یقیناً موجود ہو۔

(۴) تحصیل حق میں کسی کی حق تلفی لازم نہ آتی ہو۔ یعنی اس بات کا بھی یقین ہو کہ سببِ استحقاق صرف مجھ میں ہے کسی اور میں نہیں۔

اس حق کی تحصیل کی خاطر ارتکابِ منکر صرف مباح اور جائز ہے واجب اور ضروری نہیں۔

مثال نمبر۱: شفیع کو رات میں بیع کا علم ہوا پھر اس نے صبح کو اشہاد کر کے کہا ''علمت الآن''۔

مثال نمبر۲: کوئی لڑکی جس کا نکاح بلوغت سے پہلے کر دیا گیا ہو اور اس کو حق بلوغ حاصل ہو اس کو رات میں حیض آ کر بالغہ ہوئی پھر اس نے صبح کو کہا ''رأيت الدم الآن '' اور خیارِ بلوغ کا حق حاصل کر کے نکاح سے انکار کیا۔

مثال نمبر۳: دومنزلہ مکان جس میں دونوں منزلوں کے مالکان الگ الگ ہوں اور نچلی منزل خود ہی منہدم ہو جائے تو نچلی منزل والے کو دوبارہ تعمیر پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ بالائی منزل والا یہ کر سکتا ہے کہ نچلی منزل خود تعمیر کر کے پھر اوپر اپنا مکان بنائے، پھر وہ نچلی منزل والے کو نچلے مکان کے انتفاع سے روک سکتا ہے جب تک کہ وہ تعمیر کے پیسے نہ دے دے۔اب یہاں بالائی منزل والا اپنے حق کے احیاء کے لیے نچلی منزل تعمیر کرنے پر مجبور ہے ۔اس لیے ملکِ غیر میں تصرف اس کے لیے جائز ہے اور اخراجات وصول کرنے سے پہلے اس کو اپنی ملکیت کے انتفاع سے روکنا بھی جائز ہے۔

حق اور منفعت میں فرق: جس احیائے حق کے لیے ارتکابِ منکر کی گنجائش دی گئی ہے اس میں محض منفعت داخل نہیں، اس لیے کہ منفعت میں مقصود اصل شے پر زائد نفع کا حصول ہوتا ہے مثلاً کسی شخص کے لیے کھانے کی اور اشیاء موجود ہیں لیکن وہ گندم کی روٹی کھانا چاہتا ہے تو یہ محض منفعت ہے، لہٰذا اگر گندم کی روٹی بغیر ارتکاب منکر کے نہ مل رہی ہو تو اس کے لیے ارتکابِ منکر کی اجازت نہیں، بلکہ دیگر اشیاء پر اکتفاء کرنا واجب ہے۔

الحاصل! منفعت عام ہے اور حق خاص، لہٰذا محض جلبِ منفعت کے لیے ارتکابِ منکر جائز نہیں، جب تک اس میں احیاءِ حق کا عنصر نہ پایا جائے۔

تنبیہ: ارتکابِ منکر کی رخصت کی تمام صورتوں میں رخصت صرف مکرَہ (مجبور شخص) کے لیے ہے اس طور پر کہ اسے ارتکابِ منکر کا گناہ نہ ہوگا لیکن مکرِہ (ان امور کے ارتکاب پر مجبور کرنے والا اور انہیں لازم کرنے والا) شخص بدستور گنہگار رہوگا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : قوله الكذب مباح لإحياء حقه كالشفيع يعلم بالبيع بالليل فإذا أصبح يشهد ويقول علمت الآن وكذا الصغيرة تبلغ في الليل وتختار نفسها من الزوج وتقول : رأيت الدم الآن.

واعلم أن الكذب قد يباح وقد يجب والضابط فيه كما في تبيين المحارم وغيره عن الإحياء أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعا فالكذب فيه حرام وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود وواجب إن وجب تحصيله كما لو رأى معصوما اختفى من ظالم يريد قتله أو إيذائه فالكذب هنا واجب وكذا لو سأله عن وديعة يريد أخذها يجب إنكارها ومهما كان لا يتم مقصود حرب أو إصلاح ذات البين أو استمالة قلب المجني عليه إلا بالكذب فيباح ولو سأله سلطان عن فاحشة وقعت منه سرا كزنا أو شرب فله أن يقول ما فعلته لأن إظهارها فاحشة أخرى وله أيضا أن ينكر سر أخيه وينبغي أن يقابل مفسدة الكذب بالمفسدة المترتبة على الصدق فإن كانت مفسدة الصدق أشد فله الكذب وإن العكس أو شك حرم وإن تعلق بنفسه استحب أن لا يكذب وإن تعلق بغيره لم تجز المسامحة لحق غيره والحزم تركه حيث أبيح وليس من الكذب ما اعتيد من المبالغة كجئتك ألف مرة لأن المراد تفهيم المبالغة لا المرات فإن لم يكن جاء إلا مرة واحدة فهو كاذب اهـ ملخصا ويدل لجواز المبالغة الحديث الصحيح " وأما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه". قال ابن حجر المكي : ومما يستثنى أيضا الكذب في الشعر إذا لم يمكن حمله على المبالغة كقوله : أنا أدعوك ليلا ونهارا ولا أخلي مجلسا عن شكرك لأن الكاذب يظهر أن الكذب صدق ويروجه وليس غرض الشاعر الصدق في شعره وإنما هو صناعة

وقال الشيخان يعنى الرافعى والنووى بعد نقلهما ذلک عن القفال والصيدلانى وهذا حسن بالغ اهـ قوله قال أى صاحب المجتبى وعبارته قال عليه الصلاة والسلام كل كذب مكتوب لا محالة إلا ثلاثة الرجل مع امرأته أو ولده والرجل يصلح بين اثنين والحرب فإن الحرب خدعة قال الطحاوى وغيره هو محمول على المعاريض لأن عين الكذب حرام .

قلت : وهو الحق قال تعالى﴿ قتل الخراصون﴾ وقال عليه الصلاة والسلام" الكذب مع الفجور وهما فى النار " ولم يتعين عين الكذب للنجاة وتحصيل المرام ا هـ.

قلت : ويؤيده ما ورد عن على وعمران بن حصين وغيرهما إن فى المعاريض لمندوحة عن الكذب وهو حديث حسن له حكم الرفع كما ذكره الجراحى وذلک كقول من دعى لطعام : أكلت . يعنى أمس وكما فى قصة الخليل عليه الصلاة والسلام وحينئذ فالاستثناء فى الحديث لما فى الثلاثة من صورة الكذب وحيث أبيح التعريض لحاجة لا يباح لغيرها لأنه يوهم الكذب وإن لم يكن اللفظ كذبا قال فى الإحياء نعم المعاريض تباح بغرض حقيقى كتطييب قلب الغير بالمزاح كقوله ﷺ لا يدخل الجنة عجوز وقوله فى عين زوجک بياض وقوله نحملک على ولد البعير وما أشبه ذلک . (قوله جاز الكذب) بوزن علم مختار أى بالكسر فالسكون قال الشارح ابن الشحنة نقل فى البزازية أنه أراد به المعاريض لا الكذب الخالص.(الشامية ٦/٤٢٧.ط:سعيد)

وقال العلامة الحموى رحمه الله تعالىٰ : قوله : كالكذب للإصلاح بين الناس فى البزازية : يجوز الكذب فى ثلاثة مواضع : فى الإصلاح بين الناس وفى الحرب ومع امرأته .قال فى الذخيرة : أراد بها المعاريض لا الكذب الخالص .ومثله فى أواخر الحيل عن المبسوط والمعاريض : أن يتكلم الرجل بكلمة يظهر من نفسه شيئا ومراده شىء آخر كما فى شرح الشرعة عن البستان وفى بعض المعتبرات : ومن الكذب الذى لا يوجب الفسق ما جرت به العادة

فى المبالغة كقوله : قلت لک كذا مائة مرة لا يراد به تعميم المرات بعددها بل تفهيم المبالغة فإن لم يكن قال له إلا مرة واحدة كان كذبا وإن قال مرات يعتاد مثلها فى الكثرة فلا يأثم وإن لم تبلغ المائة .وفى مجمع الفتاوى أن الكذب يباح ؛ لإحياء حقه ؛ ولدفع الظلم عن نفسه كالشفيع يعلم بالبيع فى جوف الليل فإذا أصبح يشهد ويقول علمت الآن وكذا الصغيرة تبلغ فى جوف الليل وتختار نفسها من الزوج وتقول رأيت الدم الآن انتهى .وفى شرح العينى للبخارى فى باب شراء المملوک من الحربى فى حديث قتيبة عن الليث بن سعد ما نصه : وفيه أى : الحديث الحيل فى التخليص من الظلمة بل إذا علم أنه لا يتخلص إلا بالكذب جاز له الكذب الصريح وقد يجب فى بعض الصور بالاتفاق ككونه ينجى نبيا أو وليا ممن يريد قتله أو لنجاة المسلمين من عدوهم .وقال الفقهاء لو طلب ظالم وديعة لإنسان ليأخذها غصبا وجب عليه الإنكار والكذب فى أنه لا يعلم موضعها انتهى .فليحفظ.

(شرح الحموى على الاشباه ١/٢٩٣،ط:دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ : (لعن رسول الله ﷺ الراشى والمرتشى) : أى: معطى الرشوة وآخذها وهى الوصلة إلى الحاجة بالمصانعة وأصله من الرشاء الذى يتوصل به إلى الماء قيل: الرشوة ما يعطى لإبطال حق أو لإحقاق باطل أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به عن نفسه ظلما فلا بأس به.

(مرقاة المفاتيح ٦/٢٤٣٧،ط:دار الفكر بيروت)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : وفيه أن جواز إقدام المشترى على الشراء للضرورة لا يفيد صحة البيع كما لو اضطر إلى دفع الرشوة لإحياء حقه جاز له الدفع وحرم على القابض.

(الشامية ٥/٤٢،ط:سعيد)

وقال رحمه الله تعالىٰ ايضا :(قوله وتشهد إلخ) قال فى البزازية: وإن أدركت بالحيض تختار عند رؤية الدم ولو فى الليل تختار فى

تلک الساعة ثم تشهد فی الصبح وتقول رأیت الدم الآن لأنها لو أسندت أفسدت ولیس هذا بکذب محض بل من قبیل المعاریض المسوغة لإحیاء الحق لأن الفعل الممتد لدوامه حکم الابتداء والضرورة داعیة إلی هذا لا إلی غیره. اهـ.(الشامیة ۳/۷۴،ط:سعید)

وقال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ : لا بأس بالرشوة إذا خاف علی دینه والنبی علیه الصلاة والسلام .

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ : (قوله إذا خاف علی دینه) عبارة المجتبی لمن یخاف وفیه أیضا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له لیس برشوة یعنی فی حق الدافع اهـ.(الشامیة ۶/۴۲۳،ط:سعید)

قال العلامة غیاث الدین البغدادی الحنفی رحمه الله تعالیٰ :......

بخلاف ما إذا کان علو لرجل والسفل لآخر فانهدم السفل بنفسه فلأنه لا یجبر ذو السفل علی البناء حینئذ إذ لو أجبر إنما یجبر لحقه أو لحق ذی العلو لا وجه إلی الأول وهو ظاهر ولا إلی الثانی إذ حقه فات بلا تعد من ذی السفل فلا یلزمه أن یعیده فیقال لذی العلو : ابن السفل إن شئت حتی تبلغ موضع علوک ثم ابن علوک فلو بناه فله أن یمنع ذا السفل حتی یؤدی قیمة البناء إلی ذی العلو إذ البناء ملک البانی لبنائه بغیر الأمر کغاصب إلا أن الغاصب متعد فی البناء فلم یجز له منع رب الأرض من الانتفاع بأرضه وذو العلو محق فی البناء؛ لأنه مضطر لإحیاء حقه فله المنع منه ثم إذا أدی إلیه قیمة البناء ملکه ولو بلا رضا صاحب العلو .

(مجمع الضمانات ، ص: ۵۰۹،ط:دار الکتب العلمیة بیروت)

حج اور عمرہ کے لیے ارتکابِ تصویر کا حکم

عمرہ اور حج (خواہ فرض ہوں یا نفل) کے لیے ارتکابِ منکرِ تصویر کا حکم یہ ہے کہ یہاں ارتکابِ معصیت احیاءِ حق کے لیے ہے کیونکہ عمرہ اور حج عبادات ہیں اور عبادات شرعاً ہر مسلمان کا حق اور حاجت وضرورت ہیں اور اس کی ادائیگی کی کوئی اور ایسی صورت جو اس منکر سے پاک ہو، بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی مسلمان کو اس کے اس حق سے محروم کردے۔لہٰذا عمرہ اور حج کرنے والے کے لیے منکرِ تصویر کے ارتکاب کی رخصت ہوگی البتہ حکومت اور لازم کرنے والے گنہگار رہوں گے۔

مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور جو کام ایسے ہیں کہ اسلام میں خود مقصود ہیں یا کوئی مقصدِ اسلامی اس پر موقوف ہے، اگر دوسرے لوگوں کی غلط روی سے ان پر کوئی مفسدہ اور خرابی مرتب بھی ہوتی نظر آئے تو ان مقاصد کو ہرگز ترک نہ کیا جائے گا بلکہ اس کی کوشش کی جائے گی کہ یہ کام تو اپنی جگہ جاری رہے اور پیش آنے والے مفاسد جہاں تک ممکن ہوں بند ہوجائیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات ایک جنازے کی نماز میں شرکت کے لیے چلے، وہاں دیکھا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی اجتماع ہے، اس کو دیکھ کر ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ واپس ہوگئے، مگر حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کی غلط روش کی وجہ سے ہم اپنے ضروری کام کیسے چھوڑ دیں؟ نمازِ جنازہ فرض ہے، اس کو اس مفسدہ کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا، ہاں اس کی کوشش تابمقدور کی جائے گی کہ یہ مفسدہ مٹ جائے، یہ واقعہ بھی روح المعانی میں نقل کیا گیا ہے۔

اس لیے خلاصہ اس اصول کا جو آیتِ مذکورہ سے نکلا ہے، یہ ہوگیا کہ جو کام اپنی ذات میں جائز بلکہ طاعت وثواب بھی ہو مگر مقاصدِ شرعیہ میں سے نہ ہو، اگر اس کے کرنے پر کچھ مفاسد لازم آجائیں تو وہ کام ترک کردینا واجب ہوجاتا ہے بخلاف مقاصدِ شرعیہ کے

کہ وہ لزومِ مفاسد کی وجہ سے ترک نہیں کیے جاسکتے......................مگر جو کام مقاصدِ اسلامیہ میں داخل ہیں خواہ فرائض وواجبات ہوں یا سننِ مؤکدہ یا دوسرے قسم کے شعائرِ اسلامی، اگر ان کے ادا کرنے سے کچھ کم فہم لوگ غلطی میں مبتلا ہونے لگیں تو ان کاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا، بلکہ دوسرے طریقوں سے لوگوں کی غلط فہمی اور غلط کاری کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی، ابتداءِ اسلام کے واقعات شاہد ہیں کہ نماز وتلاوت اور تبلیغ اسلام کی وجہ سے مشرکینِ مکہ کو اشتعال ہوتا تھا مگر اس کی وجہ سے ان شعائرِ اسلام کو کبھی ترک نہیں کیا گیا۔ (معارف القرآن ۳/۴۲۳،۴۲۲)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ ﴿ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله...... الخ﴾ [الانعام:۱۰۸] : واستدل بالآیة علی أن الطاعة إذا أدت إلی معصیة راجحة وجب ترکها فإن ما یؤدی إلی الشر شر وهذا بخلاف الطاعة فی موضع فیه معصیة لا یمکن دفعها وکثیراً ما یشتبهان ولذا لم یحضر ابن سیرین جنازة اجتمع فیها الرجال والنساء وخالفه الحسن قائلاً : لو ترکنا الطاعة لأجل المعصیة لأسرع ذلک فی دیننا للفرق بینهما .

(روح المعانی ۴/۲۳۷،ط:دار الکتب العلمیة بیروت)

وقال الامام ابوبکر الجصاص رحمه الله تعالیٰ : وروی عن الحسن أنه حضر هو وابن سیرین جنازة وهناک نوح فانصرف ابن سیرین فذکر ذلک للحسن فقال إنا کنا متی رأینا باطلا وترکنا حقا أسرع ذلک فی دیننا لم نرجع وإنما لم ینصرف لأن شهود الجنازة حق قد ندب إلیه وأمر به فلا یترکه لأجل معصیة غیره.

(احکام القرآن للجصاص ۳/۲۷۸،ط:دار احیاء التراث)

وقال ملک العلماء الکاسانی رحمه الله تعالیٰ : وإذا کان مع الجنازة نائحة أو صائحة زجرت فإن لم تنزجر فلا بأس بأن یتبع الجنازة معها ولایمتنع لأجلها؛ لأن اتباع الجنازة سنة فلا یترک ببدعة من غیره. (بدائع الصنائع ۱/۳۱۰،ط:سعید)

(ومثله فی البحر الرائق ۲/۳۳۷،ط:رشیدیه)

وقال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ : قال فی الاختیار .... وإن کان معها نائحة زجرت فإن لم تنزجر فلا بأس بالمشی معها ولا تترک السنة بما اقترن بها من البدعة انتهی.

(حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص:۶۰۵،ط:قدیمی)

ٹی وی چینلز پر تبلیغِ دین کی خاطر منکرِ تصویر کا ارتکاب

اس سلسلے میں چند اتفاقی اور اصولی باتیں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ تبلیغ ہدایت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، مقصد نہیں، مقصد ہدایت ہے۔

۲۔ چونکہ بندہ کے اختیار میں وسیلہ ہے، اس لیے وہ تبلیغ اور وسیلہ کا مکلّف ہے، ہدایت دینا نہ اس کے اختیار میں ہے اور نہ وہ اس کا مکلّف ہے۔

۳۔ ہر تبلیغ اور وسیلے پر ہدایت کا مرتب ہونا ضروری نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالی کی مشیت پر ہے، جس ذریعے اور تبلیغ پر ہدایت چاہے گا مرتب ہوگی، نہ چاہے گا مرتب نہ ہوگی۔

۴۔ ترتبِ ہدایت کا ضابطہ اور قانون کیا ہے؟ اس کے لیے کوئی قانون نہیں ہے، بس اللہ تعالی کی مشیت ہے،.... اگر چاہے تو کم درجہ کے مبلغ کی تبلیغ کے اس طریقہ پر جو جواز اور اباحت کی حد تک ہو، جس میں زیادہ حسن بھی نہ ہو، ہدایت مرتب فرمادے۔ اور چاہے تو اعلی درجے کے مبلغ کے اعلی درجے کی تبلیغ پر بھی ہدایت مرتب نہ فرمائے۔ اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ [القصص:۵۶]

۵۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی طرف سے تبلیغ کے ایجاد کردہ طریقے کو سب سے زیادہ موثر باور کرائے اور اس پر ہدایت کے ترتب کا دعوی کرے،...... ہاں! قرآن وسنت سے جن طرقِ تبلیغ کا احسن، موثر اور بہتر ہونا ثابت ہے، ان سے متعلق بہتری کا دعوی کیا جاسکتا ہے، لیکن ان پر لازماً ترتبِ ہدایت کا دعویٰ پھر بھی جائز نہیں، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان طرق سے اگر ہم نے تبلیغ کرلی تو ہم فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوجائیں گے اور

ہم کو اس پر اجر ملے گا، رہی ہدایت کی بات تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

۶۔ جو بھی اخلاص کے ساتھ تبلیغ اور وسیلۂ ہدایت کو اختیار کرے گا، خواہ اس پر ترتبِ ہدایت ہو یا نہ، بہر حال مبلغ کو اجر ملے گا۔

۷۔ اسلام میں تبلیغ کے جتنے جائز طریقے ہیں، ان کا تو بندے کو مکلّف بنایا گیا ہے، ناجائز طریقوں کے نہ بندے مکلّف ہیں اور نہ ہی ان کا استعمال جائز ہے۔

۸۔ قرآن وسنت سے آج تک باوجود تتبع وتلاش کے ہمیں یہ بات نہیں ملی کہ اللہ تعالیٰ تبلیغ کے ناجائز طریقوں سے بھی اصل ہدایت جو قرآن کریم کا مطلوب ہے، مرتب فرماتے ہیں، ہاں! بعض اہل علم نے یہ تو لکھا ہے کہ ناجائز طرق تبلیغ پر کبھی بھی وہ ہدایت حاصل نہیں ہوسکتی جو قرآن کریم کا مطلوب ہے، چنانچہ ہمارے محترم حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ لکھتے ہیں:

”لہٰذا جن لوگوں میں حق کی طلب یا تلاش نہ ہو اور جو کھیل تماشے کے بغیر دین کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ ہوں، آپ ان کے سامنے ایسی ہزار فلموں کے ذریعے تمام قرانی مضامین بیان کر دیجیے انہیں اس سے وہ ہدایت رتی برابر بھی حاصل نہ ہوگی جو قرآن کریم کا اصل مقصد اور اس کو حقیقۃً مطلوب ہے، جن لوگوں کے دلوں میں از خود حق تک پہنچنے کی کوئی ادنیٰ تڑپ نہیں ہے، اور حق تک پہنچنے کے حقیقی راستوں سے اپنے آپ کو نہ صرف مستغنی اور بے نیاز سمجھتے ہیں، بلکہ ان سے نفرت اور اعراض کا معاملہ کرتے ہیں، ان کے لیے خود قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ:

﴿**اما من استغنی فانت له تصدی وما علیک الا یزکی**﴾ ”رہے وہ لوگ جو (حق سے) مستغنی ہیں تو آپ ان کے پیچھے پڑتے ہیں؟ حالانکہ اگر وہ (دین حق قبول کر کے) پاک نہ ہوں تو آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں“

ایسے لوگوں کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ دین کو ان کی خواہشات کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرنے سے ان کی اصلاح ہو جائے گی، انتہا درجے کی خام خیالی کے سوا کچھ

نہیں (مضمون: قصص القرآن کی فلم بندی، کتاب: اصلاحِ معاشرہ ۱۵۳)

۹۔ حدیث ”**بلغوا عنی ولو آیة**“ میں جائز طرقِ تبلیغ کا حکم ہے۔ باجوں، رقص و سرود اور فلموں، تصویروں کے ذریعے تبلیغ کرنا اس حدیث کا مصداق نہیں۔

۱۰۔ ناجائز اور نفسانی ومنگھڑت طرقِ تبلیغ کو حدیث ”**بلغوا عنی ولو آیة**“ کا مصداق بنانا ناجائز ہے بلکہ اس میں اندیشۂ کفر ہے۔

مندرجہ بالا اتفاقی امور کے پیشِ نظر اس صورت (ٹی وی چینلز پر تبلیغِ دین کی خاطر منکرِ تصویر کا ارتکاب) کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) جب ہم فلمی اور تصویری تبلیغ کے مکلّف نہیں، اور نہ اس پر ہدایت کے ترتب کا وعدہ ہے، بلکہ بعض اہل علم کے بقول اس پر ہدایتِ مطلوبہ کا حصول ناممکن ہے اور ہمارے ہاتھ میں کسی کو ہدایت دینا بھی نہیں، لہٰذا ہمارے لیے ان ذرائع کا اختیار کرنا ناجائز ہے۔

(۲) اگر ان ناجائز طرق تبلیغ کو کسی درجہ میں نافع اور مفید تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی قاعدہ یہ ہے کہ جواز اور عدمِ جواز کا مدار مصلحت اور منفعت پر نہیں، بلکہ علت پر ہے۔ لہٰذا اس منفعت کی وجہ سے فلمی اور تصویری تبلیغ کو جائز نہیں کہا جائے گا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”کسی امر کا جائز اور ناجائز ہونا محض اس کے نافع ہونے پر نہیں“

(تحفۃ العلماء ۲/ ۸۷، حقانیہ)

لہٰذا اس منفعت ومصلحت کی وجہ سے پھر بھی ان کو جائز نہیں کہا جا سکتا ہے۔

(۳) پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ حق الگ چیز ہے، اور منفعت الگ۔ حصول منفعت کے لیے ارتکابِ حرام جائز نہیں ہے اور حصولِ حق کے لیے جائز ہے۔ (حق سے مراد کیا ہے؟.... عنوان ”دینی یا دنیاوی حق کی تحصیل کے لئے منکر کا ارتکاب“ کے تحت ماسبق میں ملاحظہ فرمائیں) اور یہاں چونکہ محض منفعت پیشِ نظر ہے، کیونکہ تبلیغ کے دوسرے طرق بھی ہیں جن کو فلمی وتصویری تبلیغ کرنے والے کم مفید سمجھتے ہیں اور فلمی طریقہ کو زیادہ مفید بتاتے

ہیں، لہٰذا اس زائد منفعت کے لیے ارتکابِ منکَر یعنی تصویری اور فلمی تبلیغ جائز نہیں۔البتہ جہاں نفسِ تبلیغ کے لیے منکر کا ارتکاب ضروری ہوجائے جیسے بیرونِ ملک تبلیغ کے لیے پاسپورٹ اور ویزہ کے لیے تصویر بنانا تو تبلیغ کرنے والے کے لیے اس منکر کے ارتکاب کی رخصت ہوگی کیونکہ یہ حقِ شرعی کی تحصیل کے لیے ہے جوکہ جائز ہے، البتہ زبردستی اور لازم کرنے والا گنہگار رہوگا۔

(۴) گناہ کے ذریعے گناہ کی اصلاح کرنا جائز نہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ ہم اس گناہ کے ذریعے سے غلط نظریات کی اصلاح کرتے ہیں، ہرگز جائز نہیں ...... یہ محض ایک غلط اور خلافِ شرع سوچ ہے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، بلکہ دلائل شرعیہ کے خلاف ہے۔کیونکہ شرعی قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ جس طرح ظاہری اور حقیقی نجاست کا ازالہ اور پاکی نجاست کے ذریعے ناممکن ہے اسی طرح باطن اور گناہ کی نجاست کو گناہ سے زائل کرنا اور پاک کرنا بھی ناممکن، دھوکہ اور ''ہویٰ'' (خواہشِ نفس) کا فریب اور حملہ ہے۔

قال ملک العلماء الكاساني رحمه الله تعالىٰ: و التطهير بالنجس لا يتحقق كما اذا غسل بماء نجس او بالخمر.

(بدائع الصنائع ۱/۸۳، ط: سعيد)

و قال العلامة البابرتي رحمه الله تعالىٰ: قوله: (طاهر) احتراز عن بول ما يؤكل لحمه فان الاصح ان التطهير لا يحصل به و قيل يحصل حتى لو غسل دم بذلک رخصنا فيه مالم يفحش..... قال شمس الائمة السرخسي : و الاصح ان التطهير بالنجس لا يكون لتضاد بين الوصفين و كذا الحكم فى الماء المستعمل.

(العناية فى شرح الهداية ۱/۱۹۴، رشيديه جديد)

حضرت حکیم الامت قدس سرہ لکھتے ہیں:

ترکِ معصیت کے لیے معصیت کا اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ ابتداء ہی سے اس معصیت کے تقاضے کا مقابلہ کرنا چاہیے، مثلاً نظر بد کا علاج یہ نہیں کہ ایک مرتبہ پیٹ بھر کر

دیکھ لیا جائے، بلکہ علاج غضِ بصر ہے، گو سخت مشقت ہو۔ایک صاحب نے کسی عالم کی بابت فرمایا کہ وہ جونپور میں ہر ماہ اور بالخصوص محرم میں دسویں کیا کرتے تھے اور اس کی حکمت یہ بتلاتے تھے کہ میں اس لیے کرتا ہوں کہ شیعوں کی مجلس میں نہ جائیں۔ایک مولوی صاحب نے خوب جواب دیا کہ اگر ایسا ہی ہے تو ہندوؤں کی ہولی اور دیوالی بھی اسی نیت سے کرنی چاہیے، تاکہ لوگ ان کے مجمعوں میں نہ جائیں، کیونکہ نفس معصیت میں دونوں برابر ہیں (تحفۃ العلماء ۲/۹۴، ط: حقانیہ)

ٹی وی پر تبلیغ کے جواز کے لیے جو یہ بات کی جاتی ہے کہ اس کے ذریعے سے ہم لوگوں کو معاصی اور غلط عقائد و نظریات سے بچاتے ہیں، یہ بات چونکہ تصویر کھینچنے، کھنچوانے دیکھنے دکھانے وغیرہ کے گناہوں کے ارتکاب کے بغیر ممکن نہیں اور گناہوں کے ارتکاب کے ذریعے کسی کو گناہوں سے بچانے کے نہ ہم مکلّف ہیں اور نہ ہی شرعاً ہمارے لیے جائز ہے، لہٰذا ٹی وی پر تبلیغ بھی جائز نہیں۔

(۵) الزامی جواب: آج ڈھول باجوں کے ساتھ قوالیوں کی صورت میں دین کو پیش کیا جاتا ہے، کیا اس کے جواز کا بھی علمائے حق میں سے کوئی قائل ہے؟ کہ رقص و سرود اور باجے چونکہ ایک بڑے طبقے تک حق پہنچانے کا ذریعہ ہے اور ان کے نظریات و عقائد کی حفاظت ہے اس لیے یہ بھی جائز ہے اور نیز اگر اس مقصد کے لیے بے محابا خواتین کی ضرورت پیش آئے تو باطل کے شانہ بشانہ ان کے مقابلے میں اس طرزِ تبلیغ کو بھی جائز اور واجب کہا جائے گا؟ جیسا کہ ہمارے بعض اکابر علیہم الرحمۃ نے تصویری اور فلمی تبلیغ کا نتیجہ اور ثمرہ اسی کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت کو قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ و دل اس کے لیے فرش راہ ہیں، لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہو، اُسے فلم کے ذریعے دعوت دینے سے ہم معذور ہیں، اگر ہم یہ موقف اختیار نہ کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کے لیے استعمال کریں گے کل بے حجاب

خواتین کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا، اور رقص وسرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی، اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہوں گے''۔(نقوشِ رفتگاں۱۰۴،۱۰۵)

(٦) اس بات پر اکابر علیہم الرحمۃ کا اتفاق ہے کہ کفر کی اشاعت کے ذرائع اور ہیں، اور اسلام پھیلانے کے ذرائع الگ ہیں۔لہٰذا کفر وضلالت پھیلانے کے ذرائع اور آلات سے اسلام پھیلانے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

سرِدست دو حوالے ملاحظہ ہوں:

علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس سلسلہ میں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں، ہاں اس بات کے مکلّف ضرور ہیں کہ تبلیغِ دین کے لیے جتنے جائز ذرائع و وسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کرکے اپنی پوری کوشش صرف کردیں۔اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے، وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں، ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلّف ہیں، اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو عین مراد ہے، لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کرکے لوگوں کو دین کی دعوت دیں، اور آدابِ تبلیغ کو پسِ پشت ڈال کر جس جائز وناجائز طریقے سے ممکن ہو، لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کریں۔اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آدابِ تبلیغ کے ساتھ ہم ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنادیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے، اور اگر ناجائز ذرائع اختیار کرکے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہم نوا بنالیں تو اس کامیابی کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔(نقوشِ رفتگاں۱۰۴،۱۰۵)

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

اس فلم کے بارے میں ایک اور پروپیگنڈہ بڑے شدومد سے یہ کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ میں بڑی مدد ملی ہے۔اور ہزاروں غیر مسلم اسے دیکھ کر مسلمان ہوگئے ہیں۔اول تو یہ بات بھی پہلی بات کی طرح بے بنیاد پروپیگنڈا ہے۔ایک معمولی سمجھ کے انسان کے لیے بھی یہ باور کرنا مشکل ہے کہ ایسی فلم کو دیکھ کر ہزاروں انسان اسلام میں داخل ہوگئے ہوں۔لیکن اگر بالفرض یہ تماشا دیکھ کر کچھ لوگوں کے دل واقعی اسلام کی طرف مائل ہوتے ہیں تو آخر یہ کیوں فرض کرلیا گیا کہ اسلام کی تبلیغ اور لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ہر طریقہ استعمال کرنا جائز ہے خواہ وہ اسلامی اصولوں کے کتنا خلاف ہو اگر ''تبلیغِ اسلام'' کی خاطر اس دلیل کو قبول کرلیا جائے تو کل کو یہی دلیل بنفسِ نفیس سرکارِ دوعالم ﷺ کی شبیہ دکھانے کے لیے بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

''تبلیغِ اسلام'' کا اتنا ''درد'' رکھنے والے ان حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام نے اپنی تبلیغ کے لیے بھی کچھ خاص اصول مقرر فرمائے ہیں، جو تبلیغ ان اصولوں کو توڑ کر کی جائے وہ اسلام کے ساتھ دوستی نہیں، دشمنی ہے۔یہ کوئی عیسائیت یا کمیونزم نہیں ہے جو اپنے نظریات کے پرچار کے لیے ہر جائز وناجائز طریقِ کار کو روا رکھتا ہو، جسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے اپنے اکابر کی حرمت کا بھی پاس نہ ہو اور جو دنیا میں محض ہم نواؤں کی تعداد بڑھانے کے لیے اپنی عورتوں کی عصمت بھی داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو۔(مضمون: عہدِ رسالت کی فلم بندی، کتاب: اصلاحِ معاشرہ ۱۳۲،۱۳۳)

(٧) جن مضرتوں کے دفع کے لیے ارتکابِ منکر کی گنجائش ہے اس کے لیے حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کے دفع کی کوئی اور جائز صورت نہ ہو تفصیل ماقبل میں ''امر دوم: مواضع الرخصۃ'' میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

زیرِ بحث مسئلہ میں اس کی جائز، مفید اور مؤثر ومتعدد صورتیں موجود ہیں اور ان کے ذریعہ سے تبلیغ بھی جاری ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ ہم جس مجمع کو مضرت سے بچانا چاہتے ہیں یہ وہ مجمع ہے جو ان ذرائع کے قریب پھٹکتا بھی نہیں تو گویا دفعِ مضرت کی کوئی صورت نہ ہوئی۔

اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ اگر کوئی بیمار شخص علاج کی جائز اور یقیناً مفید صورتوں سے اعراض کر کے ایک ناجائز صورت جس میں ضرر کا پہلو بھی واضح ہو، پر مُصر ہو جائے تو اس کی اس بات کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں اور اس کے لیے جائز ذرائعِ علاج چھوڑنا قطعاً جائز نہیں، اور ناجائز ومُضر صورتِ علاج اختیار کرنا یقیناً ناجائز ہے، اسی طرح تبلیغِ دین کی ان جائز صورتوں سے اعراض اور نفرت کرنے والے مجمع کے لیے اپنی اختراعی صورت جو خلافِ شرع ہے، قطعاً غیر مفید ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے بارے میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ: ''اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی'' [عبس: ۵، ۶]

(۸) اسلام نے جہاں دفعِ مضرت کے لیے ارتکابِ منکر کی رخصت دی ہے، یہ رخصت مطلق اور غیر مشروط نہیں بلکہ اس کا جواز و رخصت درج ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

(الف) یہ صورتیں نادر، شاذ اور کالمعدوم ہوں۔ جائز صورتوں کی طرح عام نہ ہوں، جیسے شراب سے بوقتِ اضطرار لقمہ اتارا گیا یا پیاس بجھائی گئی۔ اس رخصت پر عمل کے بعد یہ جائز نہیں کہ اب شراب کو عام حالات میں پانی کی طرح پینا شروع کیا جائے۔

(ب) اس منکر کی شناعت اور قباحت رخصت پر عمل کے بعد بھی پہلے کی طرح دلوں اور ذہنوں میں راسخ اور مضبوط ہو، اور عام حالات میں اس سے بچنے کا وہی اہتمام ہو جیسے ارتکاب اور عمل سے پہلے تھا مثلاً بھوک کی اضطراری حالت میں کتا کھانا، اٹکے ہوئے لقمے کو پانی نہ ہونے کی صورت میں شراب سے اتارنا، اصلاحِ ذات البین کے لیے جھوٹ بولنا وغیرہ وغیرہ......ظاہر ہے کہ اضطرار کی یہ صورتیں کبھی کبھار ہی پیش آتی ہیں اور مسلمان ان صورتوں میں رخصت کے باوجود کتے، شراب اور جھوٹ کو حرام ہی سمجھتے ہیں جبکہ یہاں فلمی اور تصویری

تبلیغ میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں کیوں کہ نہ یہ وقتی اور نادر صورت ہے بلکہ جو ایک دفعہ اس میں لگ گیا تو اسی کا ہو کر رہتا ہے الا ماشاء اللہ تعالیٰ جس کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دیں، اسی طرح خود اس مبلغ اور اس کی اس تصویری تبلیغ کو سراہنے اور پسند کرنے والے ہمنواؤں کے ذہن میں تصویر کی وہ شناعت، مذمت اور برائی بھی باقی نہیں رہتی جو دوسرے عام مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں میں ہوتی ہے بلکہ یہ لوگ اس کو جائز، بلکہ مشروعات کی اعلیٰ قسم جو فرض واجب ہے باور کرانے کی ہر موقع پر کوشش کرتے نظر آتے ہیں اور تاویلاتِ رکیکہ سے تصویر کی مختلف صورتوں کے بنانے اور استعمال کرنے کے جواز کا گُن گاتے رہتے ہیں حالانکہ کسی گناہ کو ہلکا سمجھنا اور اس کو نِڈر ہو کر حلال سمجھ کر کرنے میں کفر کا خطرہ ہے۔

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ لکھتے ہیں:

''عقیدہ نمبر ۳۰: گناہ کے حلال سمجھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے''۔

(بہشتی زیور، ص: ۴۶، ط: عمر فاروق)

اور یہ تصویر کے عاشق لوگ صرف حلال اور جائز نہیں سمجھتے بلکہ اس منکر کی تعظیم بھی کرتے ہیں......اگر کسی جماعت کے رہنما اور لیڈر کی تصویر کوئی پھاڑ دے یا اس پر لکیر مار دے تو اس کے ساتھ لڑنے مرنے تک تیار ہوتے ہیں۔ جب حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے تو حرام کی تعظیم کا کیا حکم ہوگا؟

(۹) حالتِ اضطرار میں ارتکابِ منکر کی صورتوں پر غور کرنے سے ایک شرط یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے ارتکاب سے اس جیسی یا اس سے بڑھ کر کوئی دوسری مضرت اور ضرر لاحق نہ ہو (بلکہ ماسبق کی عبارات میں سے بعض عبارات میں اس شرط کی تصریح ہے) ورنہ اس منکر کا ارتکاب جائز نہ ہوگا، مثلاً بھوک کی اضطراری حالت میں اگرچہ مُردار یا کتے کا گوشت کھانے کی رخصت ہے مگر اس حالت میں بھی اگر معلوم ہو جائے کہ وہ گوشت مسموم اور زہر آلود ہے تو اب اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ یہاں اتلاف نفس ہے نہ کہ احیائے

نفس۔اسی طرح اٹکا ہوا لقمہ زہر آلود شراب سے اتارنا ،اسی طرح اصلاح کی خاطر ایسا جھوٹ بولنا جس سے دو افراد کے درمیان تو صلح ہو جائے مگر اس جھوٹ کے نتیجے میں عمومی فساد اٹھنے کا ظنِ غالب ہو تو بھی یہ جائز نہ ہوگا۔

زیرِ بحث مسئلہ میں اگر کسی درجے میں دفعِ مضرت مان بھی لی جائے تو چونکہ یہ تصویری اور فلمی تبلیغ درج ذیل مفاسد کو مستلزم ہے اس لیے اس کا ارتکاب شرطِ مذکور کے پیشِ نظر پھر بھی جائز نہ ہوگا۔

(۱) عوام الناس ٹی وی پر آنے والے علماء میں تمیز نہیں کر سکتے کہ ان میں اہلِ حق کون ہیں اور اہلِ باطل کون؟ اور چونکہ اہلِ باطل کی بہتات ہے تو ان کی باتیں ظاہراً زیادہ سُنی جائیں گی لہٰذا گمراہی تو پھر بھی ختم نہ ہوگی بلکہ زیادہ پھیلے گی کیوں کہ عوام کو منع بھی نہیں کیا جا سکے گا کہ ٹی وی پر کسی کی نہ سُنو۔ وہ بعض اہلِ حق کے بہانے سے ٹی وی دیکھنے پر ٹکے رہیں گے اور گمراہ ہوتے رہیں گے۔

بندہ سے خود ایک دیہاتی نے کہا کہ نیٹ پر ایک مولانا نے (جس کا نام معلوم نہیں) کہا کہ جمعہ کے فرض سے پہلے چار رکعات سنت ثابت نہیں۔

(۲) وہ مجمع جو ٹی وی سے دور تھا، بعض کے آنے کی وجہ سے وہ ٹی وی دیکھنے لگیں گے اور تمیز نہ ہونے کی وجہ سے ہر کس و ناکس کو سنیں گے جس کا نتیجہ وہی گمراہی ہے۔ بندہ کو بعض علماء نے خود بتایا کہ ہمارے بعض علماء کے آنے کی وجہ سے ہمارے کچھ دوست ٹی وی کی تبلیغ دیکھنے، سننے لگے یہاں تک کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک وغیرہ کے بیانات بھی سننے لگے اور پھر اس کی مدح میں لگ گئے کہ وہ تو بہت بڑا دین کا خادم ہے، اب وہ جو گمراہی کا زہر غیر محسوس طریقے پر پھیلائے گا اور یہ گمراہ ہوگا تو آیا یہ گمراہی کا شکار ہونے سے بچا، یا گمراہ ہوا؟

(۳) جس آلے کے ذریعے سے تصویری تبلیغ کی کوشش کی جارہی ہے اس آلے کا گمراہی پھیلانے میں یہ کمال ہے کہ اُس نے ایسے لوگوں کو بھی گمراہ کیا جنہوں نے اس آلے

کو صرف دین سیکھنے کی خاطر خریدا تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

’’اس کا محض امکان نہیں بلکہ وقوع ہے کہ بعض بظاہر دیندار لوگوں نے مسلمانوں کی مظلومیت اور جہاد کے مناظر دیکھنے دکھانے کے بہانے ٹی وی اور وی سی آر خریدا اور پھر ہر فحش ڈرامہ اور فلم دیکھنے کے عادی ہوگئے ، اس طرح نوجوان نسل دنیا و آخرت کی تباہی کا شکار ہو رہی ہے اور بعض مخلص دینی جماعتوں اور جہادی تنظیموں سے منسلک نوجوان اپنے اندر دین و جہاد کا جذبہ پیدا کرنے کی بجائے بے راہ روی اور غلط روش کا شکار ہو رہے ہیں، جس سے دین و جہاد کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔

اللھم انا نعوذ بک من شرور الفتن ما ظهر منها و ما بطن ، أنت العاصم و لا ملجأ و لا منجأ منک الا الیک . و الله سبحانه و تعالی أعلم۔(احسن الفتاوی ۹/۸۸)

تو جن کا مقصد ہی اس آلے کو گھر میں لانے سے خرافات ہوں، دین سیکھنا صرف تبعاً ہو ان کو کیا فائدہ ہوگا؟ ظاہر ہے فائدہ کے بجائے نقصان ہی نقصان ہوگا۔

علماء کی ذمہ داری ہے کہ اس غلط طریقۂ تبلیغ سے لوگوں کو ہٹا کر صحیح طرق تبلیغ کی طرف راغب کریں اور ان کے گھروں کو پہلے کی طرح ٹی وی کے زہر سے پاک کرنے کی انتھک کوشش کریں، ہر بیان میں، ہر درس میں اور ہر مجلس میں اس کی شناعت لوگوں کے دلوں میں بٹھا کر ان کے گھروں کو اس گمراہ کن آلے سے پاک کروا کر اُن پر احسان کریں اور اس طرح اپنا فرضِ منصبی ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطاء فرمادے۔ آمین

خواتین اور موسیقی کو ٹی وی کے ذریعے تبلیغِ دین کی ضرورت سمجھنے اور میڈیا کا حصہ بنانے پر مدلل اور چشم کُشا تحریر

قال رسول الله ﷺ : "إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ. متفق عليه. (مشكوة: ٣٠٠)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرماتے ہیں۔

ٹی وی کو تبلیغ دین کے لیے استعمال کرنے سے متعلق محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک پیشین گوئی:

اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت کو قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدہ و دل اس کے لیے فرشِ راہ ہیں لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہو اسے فلم کے ذریعے دعوت دینے سے ہم معذور ہیں، اگر ہم یہ موقف اختیار نہ کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کے لیے استعمال کریں گے کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا، اور رقص و سرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی، اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہوں گے"۔ (نقوش رفتگاں: ١٠٤، ١٠٥)

''میسج'' نامی ٹی وی کے جدید عزائم نے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پیش گوئی کی کافی حد تک تصدیق کردی اور اگر یہی عزائم رہے تو جو کمی بیشی ہے وہ مستقبل میں پوری کردیں گے۔

تنبیہ: دین کے نام پر اس خطرناک اور حیا سوز عزم و پروگرام کے رد میں برادرم مولانا

احسن خدامی صاحب نے جو لکھا ہے ماشاء اللہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق ادا کردیا ہے اور یہ واضح کردیا ہے کہ وہ علم و عمل اور باطل کی سرکوبی میں اپنے دادا (امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کے حقیقی وارث ہیں، ہم ان کے مضمون کی مکمل تائید کرتے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز اپنے وسائل کی حد تک اس سیلاب کے روکنے کی کوشش بھی کریں گے۔

البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہماری اس کوشش سے تذکیر و تبلیغ کا فریضہ تو ان شاء اللہ العزیز ادا ہوجائے گا لیکن جب تک یہ لوگ فلمی اور تصویری تبلیغ سے توبہ نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ کے ولی کی پیشین گوئی کے وقوع کو کوئی نہیں روک سکتا۔

''میسج'' ٹی وی کے جدید عزائم:

(۱) عورتوں کو اسکرین پر لانا۔

(۲) موسیقی کا استعمال............ کی تفصیل برادرم مولانا احسن خدامی صاحب کے درج ذیل مضمون میں ملاحظہ ہو:

پیام صفدر۔احسن خدامی

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے......!!!

نحمده و نصلي على رسوله الكريم، اما بعد......!

''میسج ٹی وی'' سنہ دو ہزار گیارہ ۲۰۱۱ء سے اپنی ''دینی'' نشریات چلا رہا ہے، عوامی حلقوں میں اسے علمائے دیوبند کا ٹی وی چینل تصور کیا جاتا ہے اور اسی فکر کے علماء کرام کے بیانات اس پر چلائے جاتے رہے ہیں۔ محترم مولانا زاہد الراشدی صاحب کی سرپرستی اور

''نیک'' تمنائیں روزِ اول ہی سے اس کو مسلسل حاصل ہیں۔ چند روز قبل اس ٹی وی کے ذمہ داران کی طرف سے ایک اپیل نظر سے گذری تھی جس میں کہا گیا تھا کہ یہ ٹی وی چینل خاصی کسمپرسی کے حالات سے گذر رہا ہے اور اگر مخیّر احباب کی طرف سے اس کی اعانت نہ کی گئی تو اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اس اپیل کے کچھ ہی دن بعد گزشتہ روز یہ معلوم ہوا کہ اس ٹی وی نے اب سکرین پر خواتین کی رونمائی کے ساتھ ساتھ موسیقی کی نشریات بھی شروع کر دی ہیں اور اس کے ذمہ داران بضد ہیں کہ نہ صرف ان کا ٹی وی اب تک ''اسلامی ٹی وی'' ہے بلکہ اس پر شروع کی جانے والی یہ حرکات بھی کسی شک وشبہہ سے بالا ''دینی حرکات'' ہیں۔ اس ٹی وی کے ذمہ دار جناب عبدالمتین صاحب جو ماشاءاللہ ''باریش اور باشرع حلیہ'' رکھتے ہیں اور کسی زمانے میں دارالعلوم لاہور، اور پھر دارالعلوم منظور الاسلامیہ کے مجلّات میں ڈیزائننگ وغیرہ کی خدمات انجام دے چکے ہیں، انہوں نے اپنے ٹی وی کے آفیشل پیج پر دو قسطوں میں اس ٹی وی پر لائی جانے والی تبدیلیوں پر ایک مضمون لکھا ہے۔ مضمون کی سطر سطر اہل نظر کو عبرت کی دعوت دے رہی ہے۔ ہم محترم جناب عبدالمتین صاحب کے اس مضمون کے چند اقتباسات اپنے تبصرے کے ساتھ مجلّہ کے قارئین، دینی مدارس کے ارباب عقد وحل اور دینی جماعتوں کے قائدین کی خدمت میں اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ اس کو ملاحظہ فرما کر میڈیا کے بارے میں لگ بھگ گذشتہ پندرہ برس سے قائم کی گئی رائے پر غور کیا جائے اور اس بارے میں مستقبل کی اپنی پالیسی کو ترتیب دیا جا سکے۔

محترم عبدالمتین صاحب لکھتے ہیں:

''میسج ٹی وی کا بنیادی مقصد دینی شعور کو اُجاگر کرنا اور فحاشی وعریانی کے سامنے بند باندھنا ہے، حالیہ دنوں میں میسج ٹی وی کی نشریات میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں جس کے متعلق ہمارے ناظرین سوالات اور ناقدین اعتراضات کر رہے ہیں، ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم ان دونوں کے جوابات دیں۔ سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے

کہ میسج ٹی وی کی انتظامیہ تبدیل ہوئی ہے، نظریہ نہیں۔۔۔''

تبصرہ:

پہلی بات تو یہ کہ ایک ٹی وی چینل کھول کر یہ توقع رکھنا کہ اس چینل کے ذریعے دینی شعور عام کیا جائے گا اور فحاشی وعریانی کے سیلاب کے آگے بند باندھا جائے گا، ایسے ہی ہے جیسے آپ لوگوں کو اس نیت سے دریا میں پھینکیں کہ وہ دریا میں گر کر ڈوبنے سے محفوظ ہو جائیں گے۔ جس طرح دریا کا کام لوگوں کو ڈبونا ہے، ڈوبنے سے بچانا نہیں، اسی طرح مروجہ میڈیا کا کام فحاشی، عریانی اور بے دینی کو فروغ دینا ہے، ان کے آگے بند باندھنا نہیں۔

اگر آپ ان سطور کے مطالعے کے دوران یہ سوچ رہے ہیں کہ میڈیا تو صرف ایک آلہ ہے، اسے درست مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور غلط مقاصد کے لیے بھی، تو آپ کی یہ سوچ لاعلمی اور بے خبری پر مبنی ہے، موجودہ زمانے کا میڈیا ایک مجرد آلہ یا اوزار نہیں ہے جسے کوئی بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکے، بلکہ یہ ایک منظّم اور مربوط نظام کے تحت چلنے والا بہت بڑا ادارہ ہے جسے بنانے والے نہ اسے اپنی مرضی کے خلاف چلنے دے سکتے ہیں اور نہ اس کی ساخت ہی ایسی ہے کہ یہ ان کی فکر ونظر اور تہذیب کو چھوڑ کر کسی دوسری تہذیب یا دین یا عقیدے کے مطابق چل سکے۔ یہ گندگی کا وہ متعفن نالا ہے جس میں آپ کئی من خوشبو ڈال کر بھی اس کے تعفن اور غلاظت کو کم نہیں کر سکتے۔ یہ لادینی، فحاشی وعریانی کی وہ ناپاک شراب ہے جس میں چند قطرے زمزم ڈال کر آپ زمزم کی توہین اور بے اکرامی کا سبب تو بن سکتے ہیں، اس نجس شراب کو پاک قطعاً نہیں کر سکتے۔ یہ بے راہ روی اور اللہ جل شانہ سے بغاوت کا زہر ہے جس میں کچھ قطرے کسی دوا کے ڈال کر آپ اس کی زہرناکی سے نہ صرف مطمئن ہیں بلکہ اس سے بیماروں کو شفاء ملنے کی بھی آرزو لگائے بیٹھے ہیں، آپ کی یہ سادگی آپ جیسے بہت سے سادہ دل مریضوں کے ایمان کو موت کے گھاٹ اتار سکتی ہے۔

موجودہ زمانے کا میڈیا پوری دنیا کے سرمایہ دارانہ نظام کا ہی ایک اہم کل پرزہ ہے، اسے

اس پورے نظام سے الگ کر کے چلانے کی آرزو ایسے ہی ہے جیسے چلتی گاڑی کے ایک ٹائر سے یہ امید رکھنا کہ وہ آپ کے کہنے پر گاڑی سے مخالف سمت میں چلنے لگے گا۔ یہ ایک بچگانہ خواب تو ہوسکتا ہے، حقیقت کبھی نہیں۔ اس میڈیا کا موجودہ ڈھانچہ کیا ہے؟ ملکی سطح پر جنگ گروپ، اے آر وائی گروپ جیسے چھوٹے چھوٹے ادارے جو ریاست کی وساطت سے یا براہِ راست مکمل طور پر کیمونیکیشن اور ٹیکنالوجی کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے تحت اور ان کے دست نگر ہوتے ہیں۔ گوگل اور موٹرولا، یا ہواوے جیسی کیمونیکیشن اور ٹیکنالوجی کمپنیاں بھی مکمل طور پر آزاد اور خود مختار نہیں ہوتیں بلکہ ایک نظم اور سسٹم کے تابع ہوتی ہیں، اس نظم اور سسٹم کی جڑ کیا ہے؟ سرمایہ اور سرمایہ داری، دنیا کی بے انتہا محبت، حرص و ہوس کا لامتناہی صحرا، اللہ جل شانہ کو جھٹلا کر انسانی خواہشات کو خدا مان لینا اور ان کو پوجنا، **لا الہ الا اللّٰہ** کے دائرے سے آزاد ہوکر **لا الــہ الا الانسـان** کا دعوی کرنا............اس نظم اور سسٹم میں وہی کامیابی سے چل سکتا ہے جو اس کی اس بنیادی ''ایمانیات'' پر یقین رکھتا ہو یا اس کو برداشت کرسکتا ہو...... یہاں (**نعوذ بـاللّٰـه**) دولت خدا ہے، خواہش رسول ہے۔ دولت سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں، خواہش سے بڑھ کر کوئی مطاع نہیں۔

آپ اس میڈیا پر آ کر ''دین'' کا کام کرنا چاہتے ہیں، سب سے پہلے آپ کو اس کے بنانے والوں سے ''لائسنس'' کے نام پر اجازت نامہ لینا ہے جس میں بہت کچھ ان کی مرضی کا کہنے کو تسلیم کرنا اور بہت کچھ اپنی مرضی کا کہنے سے دست بردار ہونا ہے، ضابطۂ اخلاق کے نام سے بداخلاقی پھیلانے کے اُصولوں پر صاد کرنا ہے۔ فرض کیجیے آپ نے لائسنس لے لیا، لائسنس لیتے وقت اپنی ہر بات کہنے کی آزادی بھی ان سے منظور کروالی، اب آپ یہ سوچیے کہ آپ کا یہ چینل چلے گا کیسے؟ چینل چلانے اور اس کو جاری رکھنے کے لیے آپ کو ہر ماہ بہت بھاری رقم درکار ہے جو آپ نے پابندی کے ساتھ انہی لوگوں کو دینی ہے جن سے آپ نے چینل چلانے کی اجازت لی ہے یا جن سے آپ ٹیکنالوجی اور کیمونیکیشن کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ یہ رقم لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ہے، یہ رقم آپ کہاں سے پوری کریں

گے؟ موجودہ میڈیا سسٹم میں اس رقم کو وصول کرنے کا بنیادی طریقہ ایک ہی ہے کہ آپ چینل پر ایسی چیزیں دکھائیں جو زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھیں، جتنے زیادہ لوگ آپ کے چینل کو دیکھیں گے، اتنی ہی زیادہ کمپنیاں اس چینل کو اشتہار دیں گی، ان اشتہارات کی رقم سے آپ اپنے اخراجات پورے کریں گے، اپنے ملازمین کو تنخواہیں دیں گے، اور اپنے ''بڑوں'' کو ان کی مطلوبہ رقم فراہم کریں گے۔ گویا آپ کے چینل کے دفاتر کے کرائے، بجلی پانی کے بل، درکار سامان کی رقم، ملازمین کی تنخواہیں، اور چینل کی فیس وغیرہ مدات میں جتنی رقم آپ کو درکار ہے اس کے وصول ہونے کا بنیادی ذریعہ ایک ہی ہے، وہ ہیں اشتہارات، اور اشتہارات ملنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے چینل کو زیادہ سے زیادہ لوگ دیکھتے ہوں۔ مثال کے طور پر آپ کے ٹی وی کو ایک لاکھ لوگ دیکھتے ہیں اور آپ کا ایک منٹ کا اشتہار دس ہزار کا ہے، تو اگر آپ کے چینل کو دس لاکھ لوگ دیکھنے والے ہوں گے تو یہی ایک منٹ کا اشتہار دو لاکھ کا ہو جائے گا۔

اتنے زیادہ لوگ آپ کے چینل کو کیسے دیکھیں گے؟ وہ کون سا طریقہ ہے جس سے لاکھوں کروڑوں لوگ ہر وقت آپ کے چینل سے چمٹے بیٹھے رہیں؟ کھانا کھانے والوں کی نظریں کھانا کھاتے وقت سکرین پر ٹکی رہیں اور کاریگر کام کرتے ہوئے بار بار نگاہیں اٹھا کر اس پر نظر ڈالتے رہیں؟ اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ لوگوں کو ان کی خواہش اور پسند کی چیز دکھائی جائے۔ یہی وہ دوراہا ہے جہاں سے دین کی دعوت اور میڈیا کے راستے شمالاً جنوباً الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ دین کی دعوت محض اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں...... اس میں لوگوں کے دینی نفع کو دیکھا جاتا ہے، ان کی خواہش اور پسند کو نہیں...... اس کا مقصود آخرت کی کامیابی ہے، دنیا کی لذات کا حصول نہیں......اس میں دعوت دینے والا لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز ہوتا ہے، ان کا محتاج اور لالچی نہیں......کوئی سنے یا نہ سنے، کوئی مانے یا نہ مانے، وہ اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے اپنی آواز لگاتا ہے، لوگوں

کو آمادہ کرنے کے لیے ''اسلامی موسیقی'' اور ''اسلامی بدنظری'' جیسی قبیح حرکات کا ارتکاب کبھی نہیں کرتا......اور میڈیا......میڈیا نام ہے لوگوں کو خوش کرنے، ان کو مطمئن کرنے، ان کو چینل دیکھتے رہنے پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کا......لوگ سنسنی چاہتے ہیں، بہتان بازی سے خوش ہوتے ہیں، لوگوں کی عزتوں کے کھلواڑ کا تماشا دیکھنا پسند کرتے ہیں، سیاست دانوں یا مذہبی رہنماؤں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں، موسیقی کے دلدادہ ہیں، فحش مناظر دیکھنا چاہتے ہیں، مار دھاڑ اور قتل و غارت سے خوش ہوتے ہیں، ڈرامے کو پسند کرتے ہیں، دین کے نام سے ایسی ڈھیلی ڈھالی اور میٹھی میٹھی باتیں سننا چاہتے ہیں جوان کی خواہشات کی ''آزادی'' میں مخل نہ ہوں، جوان کے نفس کے بے لگام گھوڑے کو بری نہ لگیں، جوان کی غیر شرعی رسومات و بدعات پر ضرب نہ لگائیں، جوان کو ''خوش رہے رحمٰن بھی، راضی رہے شیطان بھی'' کا سبق پڑھائیں......میڈیا نے لوگوں کی یہ ''ضروریات'' پوری کرنی ہیں، چاہے اس کے لیے اسے کسی بھی حد تک جانا پڑے، کچھ بھی کرنا پڑے، دینی احکام کی دھجیاں اڑانی پڑیں، انسانی اخلاقیات کا جنازہ نکالنا پڑے، اسے یہ سب کچھ کرنا ہے، بہر صورت کرنا ہے۔ وہ صرف لوگوں کی ان سفلی خواہشات کو پورا ہی نہیں کرتا، ان خواہشات کو مزید ابھارتا اور برانگیختہ کرتا ہے، پھر خود انگیخت کردہ ان خواہشات کو پورا کر کے اپنی دوکان چمکاتا ہے۔ یہ اس کی غذا ہے، اس کی روح ہے، اگر وہ یہ سب نہیں کرے گا، تو مر جائے گا، اس کو کیمونیکیشن کی آکسیجن فراہم کرنے والے اس سے ناراض ہو جائیں گے، سرمایہ داری کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے اسے لائسنس اور اجازت فراہم کرنے والے اس کے سر سے ہاتھ اٹھا لیں گے، اشتہار دینے والی کمپنیاں منہ موڑ لیں گی، ریٹنگ بڑھانے والے لوگ اس کی شکل دیکھنا پسند نہیں کریں گے، پھر وہ کسی یتیم بچے کی طرح بے آسرا، بے سہارا اور لاوارث ہو کر پائی پائی کا محتاج ہو جائے گا۔ تب اس کے پاس دو ہی راستے بچیں

گے، اگر تو اس میں دینی غیرت کی ایک بھی رتی باقی ہے تو وہ ان تمام شیطانی طریقوں پر لعنت بھیج کر اپنے اس ''دینی کام'' کو اللہ کی رضا کے لیے بند کر دے گا۔ اور اگر پلید میڈیا کے سنڈ اس میں کچھ وقت گذارنے کی نحوست سے اس میں دینی غیرت اور اسلامی حمیت کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہ گیا تو پھر وہ شرم و حیا سے بالکل ہی عاری ہو کر ان شیطانی حرکات کو اسلامی لبادہ پہنانے کی کوشش کرے گا۔ جیسا کہ اس وقت میسج ٹی وی کے محترم عبدالمتین صاحب کر رہے ہیں، **انا للہ وانا الیہ راجعون**......!!

محترم عبدالمتین صاحب ٹی وی پر لائی جانے والی تبدیلیوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پہلی تبدیلی:...... جید ترین علماء کرام اور مفتیان سے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ عورت جو کہ معاشرے کا ایک اہم فرد ہے، اسے عزت، وقار اور حیاء و تقدس کے ساتھ چینل پر نمائندگی دی جائے اور اس سلسلے میں حدود و قیود کا خیال رکھا جائے۔''

تبصرہ:

اگر مغربی تہذیب و ثقافت اور اس کو پھیلانے والے میڈیا سے اہل دین کے متاثر ہونے اور اس کے پیچھے سرپٹ بھاگنے کی رفتار یہی رہی تو کچھ بعید نہیں کہ کچھ روز بعد اسی یا اس جیسے کسی اور مقدس ''اسلامی ٹی وی'' کی طرف سے یہ اعلان نشر کیا جائے کہ:

> ''جید ترین علماء کرام اور مفتیان کرام سے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اعضائے مستورہ جو انسانی جسم کے اہم اعضاء ہیں، انہیں پوری ''عزت، وقار اور حیاء و تقدس'' کے ساتھ چینل کی سکرین پر نمائندگی دی جائے اور اس سلسلے میں ''حدود و قیود'' کا پورا خیال رکھا جائے۔''

ہم اِس اندازِ تفہیم پر محترم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں مگر کیا کیجیے کہ مغربی میڈیا کی غلاظت اور ہمارے میڈیا کی طرف سے اس کی تقلید کی رفتار کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ روز بد بہت

دُور نہیں، بالکل سامنے نظر آ رہا ہے۔

اور ہاں......! وہ ''جید ترین'' علماء کرام کون ہیں جو اس ٹی وی کو ان ''اسلامی'' حرکات کا جواز فراہم کر رہے ہیں؟ اَب تک کے مسلسل استفسار کے باوجود میسج ٹی وی کے ذمہ دار محترم ان کا نام بتانے سے گریزاں ہیں۔ اب دو ہی صورتیں نظر آتی ہیں، یا تو یہ صاحب لوگوں کو دھوکہ دیتے ہوئے از خود ہی ''جید ترین علماء'' کے الفاظ استعمال کر کے اپنی سرمایہ داری کو بچانے کے لیے دجل اور فریب سے کام لے رہے ہیں......اللہ کرے ایسا ہی ہو......اور یا پھر خدانخواستہ خدانخواستہ واقعتاً ایسے کچھ معزز اور ''جید'' علماء کرام موجود ہیں جو پسِ پردہ اس سلسلے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے سند جواز فراہم کر رہے ہیں......اللہ کرے ایسا نہ ہو......لیکن افسوس کہ ایسا ہونا کچھ زیادہ بعید بھی نہیں......جس دنیا میں ''راسخ العقیدہ سنی، شعوری حنفی اور متصلب دیو بندی'' رہتے ہوئے غامدی پٹھوں کی پوری پوری پشت پناہی مسلسل کرنا اور اس کے لیے اکابر علماء کرام کو دھوکہ دینا ممکن ہے، اس دنیا میں ''عزت وقار اور حیاء و تقدس'' کے ساتھ ساتھ عورتوں کو سکرین پر لا بٹھانا اور موسیقی کی دھنیں بکھیرنا بھی کچھ غیر ممکن نہیں......اللہ جل شانہ ہی ہماری حالت پر رحم فرمائیں۔

محترم عبدالمتین صاحب مزید لکھتے ہیں:

''دوسری تبدیلی:...... ایسی دستاویزی فلمز یعنی ڈاکومنٹریز جو تاریخ، ادب، عالمی حالات، سیاحت، یا دیگر عنوانات پر مشتمل ہوں اور ان میں بیک گراؤنڈ میوزک کا استعمال کیا گیا ہو، انہیں اپنی نشریات کا حصہ بنانا۔''

تبصرہ:

آہ......! ان صاحب کو کون سمجھائے کہ اگر آپ کو اپنی دینی دعوت ہی لوگوں تک پہنچانی تھی تو اسے بغیر تصویر کے صرف آڈیو کے ذریعے بھی لوگوں تک پہچانا ممکن تھا، مگر آپ نے یہ

عذر کیا کہ بغیر تصویر کے صرف آڈیو کو لوگ شوق اور توجہ سے دیکھتے نہیں ہیں۔ کاش آپ اس بات کو سمجھ سکتے کہ جس دن آپ نے لوگوں کو خوش کرنے اور ان کی دلچسپی کو ''ضرورت اور مجبوری'' کے دائرے میں شامل کیا تھا اسی روز آپ کا قبلہ مکہ سے ہٹ کر لندن کی طرف ہو گیا تھا، اب وہی طبقہ جو دین کی بات سننے کے لیے آڈیو پر قانع نہیں تھا اور ویڈیو کا تقاضا کر رہا تھا، آج وہی طبقہ سوکھی ویڈیو دیکھ کر دین کی بات سننے سے اکتا چکا ہے اور ان کے باشرع حلیوں کے اندر مچلتی نفسانی خواہشات انہیں خواتین کی زبانی موسیقی کی دھنوں کے ساتھ ساتھ ''دین کی بات'' سننے کا تقاضا کرنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ آج آپ ان کی اس خواہش کو ''ضرورت اور مجبوری'' قرار دے کر اسے پورا کرنا چاہ رہے ہیں، کل کو یہی طبقہ اس خواہش پرستی میں مزید ترقی کر کے رقص دکھانے کا مطالبہ کرے گا، پرسوں یہی طبقہ انگریزوں کے راستے پر چلتے ہوئے چوپاؤں سے بدتر ہو کر اس سے زیادہ حیا سوز مناظر دکھانے کی خواہش کرے گا...... آپ کون کون سے طریقے سے ان کی خواہشات کو پورا کر کے انہیں دین کی دعوت پہنچانے کی ذمہ داری اٹھائیں گے؟......ذلت، پستی اور بے غیرتی کی کون سی کھائیوں تک اپنے آپ کو گرائیں گے؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ابھی سے آپ اپنے آپ کو سنبھال لیں اور ٹی وی، میڈیا کے شیطانی طریقوں کو راہِ نجات سمجھنے کے بجائے مسجد، مدرسہ، دعوت و تبلیغ اور انفرادی دعوت کے نبوی و مبارک اور پاکیزہ و باوقار طریقوں کو حرزِ جاں بنا لیں؟

محترم عبدالمتین صاحب ان دو تبدیلیوں کی ''شرعی دلیل'' مہیا کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''ان دونوں تبدیلیوں کے پیچھے ارادوں کو اللہ رب العزت بہتر جانتا ہے اور یہ تبدیلیاں کم و بیش ایک سال کی مشاورت کے بعد کی گئی ہیں، اور ان تبدیلیوں پر اہل علم کی رائے کو

ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جیسے آج تک ڈیجیٹل تصویر کے معاملے پر دونوں طرف علماء کی رائے ہیں، اسی طرح ان موضوعات پر بھی دونوں طرف رائے پائی جاتی ہیں جس کی تحقیق آپ خود کر سکتے ہیں۔''

تبصرہ:

ان خرافات کے ارتکاب کے جواز کے لیے پیش کی گئی دلیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ ان کے جواز و عدم جواز میں ''اختلاف'' ہے، اور جس کام میں اختلاف ہو اسے کر لینے کی گنجائش ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ وہ سب سے ''بھاری'' اور ''وزنی'' دلیل ہے جس کے زور پر پوری امت مسلمہ کو ایثار، قربانی، زہد و تقویٰ، انفاق فی سبیل اللہ، صلہ رحمی، ذکر اللہ مجاہدے اور ذوق عبادت کے ایمانی راستوں سے ہٹا کر خواہش پرستی، حسد، بغض، جھوٹ، دھوکہ، فحاشی، عریانی اور حب دنیا کے گڑھوں میں گرا کر جہنم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ہر کس و ناکس اور ہر پروفیسر و مفکر کا اختلاف اس قابل ہے کہ اسے قابل اعتناء سمجھ کر جمہور امت کے موقف کو پسِ پشت ڈال دیا جائے، اور نہ مستند اور راسخ العقیدہ علماء کرام کے اختلاف کی صورت میں ہی یہ کوئی شرعی ضابطہ یا اصول ہے کہ عوام الناس اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر جس کے مرضی قول کو خود ہی اختیار کر کے من مانی کے راستے پر بگٹٹ گھوڑے دوڑانے لگیں۔ اس امت کے فقہائے کرام اور مجتہدین عظام نے اگر بعض مسائل میں آپس میں اختلاف کیا ہے تو امت کو اس اختلاف میں اپنے لیے راہِ عمل تلاش کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے، اس کے اصول بھی بیان فرمائے ہیں...... آپ فقہ اور اصول فقہ کے تمام مستند قدیم و جدید ذخیرے کھنگال جایئے، آپ کو کسی ایک جگہ بھی یہ اصول نہیں ملے گا کہ کوئی بھی کام کرنا ہو تو پہلے اس میں کہیں سے بھی...... کوئی سے بھی...... دو افراد کا اختلاف تلاش کر لو...... اور جب اختلاف مل جائے تو اب جو چاہے کرو۔

شاذ اور مرجوح قسم کے اقوال ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرنا اور ان پر عمل کرنا فقہ حنفی یا فقہ شافعی نہیں فقہ شیطانی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی کی دعوت کریں تو روٹی سالن اور چاول کے بجائے دسترخوان پر چھلکوں کا ڈھیر لگا دیں، اور مہمان اس پر احتجاج کرنا چاہے تو اسے یہ ''دانشورانہ'' دلیل دے کر خاموش کروا دیں کہ میں نے خود بڑے بڑے حکماء کی کتب میں ان چھلکوں سے بننے والے نسخوں اور ان کے فوائد کو پڑھا ہے، تم کون ہوتے ہو جو اپنی تنگ نظری، تشدد اور جمود پر مصر ہو کر ان کو کھانے سے انکار کرتے ہو اور خوامخواہ تنگی اور مشقت پر عمل کر رہے ہو......؟ جس طرح کسی حکیم کی کتاب میں کیلے کے چھلکے سے تیار ہونے والا کوئی نسخہ دیکھ کر اس چھلکے کو غذا کا معمول بنا لینا درست نہیں اسی طرح فقہاء کی کتب میں سے شاذ اور مرجوح اقوال تلاش کر کے ان کو جمع کر لینا اور انہی کو مفتیٰ بہ اقوال کا درجہ دے دینا بھی کسی حماقت سے کم نہیں۔ ایسا صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کا معبود ان کا نفس ہے لیکن وہ اپنے نفس کی خواہشات کو نفس کی خواہشات کہہ کر ان پر عمل کرنے کی اخلاقی جرأت نہیں رکھتے تو لوگوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی دھوکہ دینے کے لیے انہی فقہائے کرام کے غیر ثابت یا شاذ اقوال جمع کرنے لگتے ہیں جن فقہائے کرام سے تمسخر کرنا اور ان پر سے امت کا اعتماد ہٹانا ان کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنی شہرہ آفاق درسی تقریر ''درسِ ترمذی'' میں صفحہ نمبر ۶۲۱ ...... سے ۷۳۱ ...... تک ''تقلید ائمہ کا مسئلہ'' کے عنوان سے خاصی جامع گفتگو فرمائی ہے جس میں قرآن کریم اور تقلید، حدیث اور تقلید، عہد صحابہ میں مطلق تقلید، عہد صحابہ میں شخصی تقلید، تقلید کے مختلف درجات، عوام کی تقلید، متبحر عالم کی تقلید، مجتہد فی المذہب کی تقلید، مجتہد مطلق کی تقلید، اور تقلید پر کیے جانے والے اعتراضات کے عناوین کے تحت بہت ہی قیمتی، مدلل اور نفیس بحث موجود ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ اس پوری بحث کو من وعن قارئین

کرام کے لیے نقل کر دیا جائے تاہم صفحات کی تنگ دامانی سے لاچار ہو کر ہم سر دست اس بحث کی چند سطور ہی قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ تقلید شخصی کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں:

’’پہلے تو یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اتباعِ ہویٰ قرآن کریم کی بے شمار تصریحات کے مطابق انتہائی سنگین بیماری ہے۔ پھر اتباع ہویٰ ایک تو یہ ہے کہ انسان حرام کو حرام سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور اس سے بھی بدتر صورت یہ ہے کہ انسان اتباعِ ہویٰ کے تحت حرام کی حرمت ہی سے انکار کر دے۔ یہ شکل اس لیے بہت بری ہے کہ اس میں انسان کو اپنے فعل پر ندامت بھی نہیں ہوتی، فقہاء کرام نے یہ محسوس کیا کہ قرونِ اولیٰ میں دیانت عام تھی، اس لیے تقلیدِ مطلق میں اتباعِ ہویٰ کا کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن بعد میں دیانت کا وہ معیار باقی نہیں رہا، لہٰذا اگر تقلیدِ مطلق کا دروازہ بالکل کھلا رکھا گیا تو لوگ اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق جس امام کے قول میں آسانی دیکھیں گے اسے اختیار کر لیں گے، اور یہ وہ سنگین گمراہی ہے جس کے خلافِ اسلام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ خود علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس طرزِ عمل کو انتہائی مذموم قرار دیا ہے کہ نفسانی خواہشات کی پیروی میں کبھی کسی امام کا قول اختیار کر لیا جائے اور کبھی کسی امام کا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس بات کی کھلی آزادی دے دی جائے کہ جس مجتہد کا چاہے قول اختیار کر لو! تو دین ایک کھلونا بن کر رہ جائے، کیونکہ اکثر مجتہدین کے یہاں کچھ نہ کچھ منفرد اقوال ایسے ملتے ہیں جو خواہشاتِ نفس کے مطابق ہوتے ہیں۔ مثلاً: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شطرنج کھیلنا جائز ہے، حضرت عبد اللہ بن جعفر کی طرف موسیقی کا جواز ’’منسوب‘‘ ہے، حضرت قاسم بن محمد کی طرف منسوب ہے کہ وہ بے سایہ تصویروں کو جائز کہتے تھے، مالکیہ میں امام سحنون کی طرف اپنی زوجہ کے ساتھ وطی فی الدبر کا جواز منسوب ہے، امام اعمش سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک روزہ کی ابتداء طلوعِ شمس سے ہوتی

ہے، ابن حزم ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے برہنہ دیکھنا بھی جائز ہے، نیز انہی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد سے پردہ کرنا مشکل ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس بالغ مرد کو اپنی ثدی سے دودھ پلا دے، اس طرح حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی اور پردہ اٹھ جائے گا، اور حضرت عطا بن ابی رباح کا مسلک یہ ہے کہ اگر عید کا دن جمعہ کے روز آ جائے تو اس دن ظہر اور جمعہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

غرض اس طرح اگر کوئی شخص ایسے اقوال کو تلاش کر کے ان پر عمل شروع کر دے تو ایک ایسا دین تیار ہو جائے گا جس کا بانی سوائے شیطان اور نفس کے کوئی نہیں۔ اسی لیے بعض اسلاف کا قول ہے کہ ’’**من اخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام**‘‘ (یعنی جو شخص علماء کے شاذ اقوال جمع کر کے ان پر عمل کرنا شروع کر دے وہ (اس خواہش پرستی کے نتیجے میں) آخر کار اسلام سے ہی خارج ہو کر رہتا ہے)‘‘۔ (درسِ ترمذی:۱/۱۳۱)

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی یہ تحریر ان حضرات کے لیے تو امید ہے کہ شافی ثابت ہوگی جو حقیقتاً دین پر چلنا چاہتے ہیں اور جن کا مقصود اللہ جل شانہ کی رضا کی تلاش ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنی خواہشات پر چلنے ہی کی ٹھان لی ہے، ان کے کانوں پر کسی نبی کی بات کا اثر بھی کبھی نہیں ہوا، ایک عالم کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

آخری بات:

جب تک ہمارے حضرات کا مجموعی موقف ٹی وی کے عدم جواز کا رہا، ہمارا دین دار طبقہ اس لعنت سے محفوظ ہی رہا۔ جب ڈیجیٹل تصویر کے جواز و عدم جواز کی بحث شروع ہوئی تو اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر ہمارا طبقہ میڈیا اور سوشل میڈیا کی طرف آیا اور جب آیا تو اس کی تمام ترنحوستوں اور غلاظتوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ بات شروع تو صرف ڈیجیٹل تصویر کے جواز سے ہوئی تھی، لیکن رکی اس پر نہیں، اب غیر محارم کی تصاویر کیا اور موسیقی کیا، ہر ناجائز اور حرام کام میں ابتلائے عام ہوتا چلا جا رہا ہے، یہ سلسلہ کسی طور رکنے میں نہیں آ رہا......اس

وقت جو علماء کرام ڈیجیٹل تصویر کے جواز کے قائل ہیں، ان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اس جواز کے نتیجے میں پیش آنے والے محرمات میں ابتلاء کی کھلے اور واضح الفاظ میں سختی سے روک تھام کریں، مشتبہات کا جو دروازہ انہوں نے کھولا ہے اس دروازے سے آگے کوئی مضبوط بند باندھیں جس سے امت اس دروازے سے آگے محرمات کی حدود میں داخل نہ ہو، اور اگر وہ اس دروازے سے گذرنے والوں کو محرمات کی حدود تک جانے سے نہیں روک سکتے تو امت کی خیر اسی میں ہے کہ گمراہی، فحاشی، عریانی اور دنیا پرستی کے اس باب کبیر کو ہی بند کردیں۔ وما علینا الا البلاغ

(مجلّہ صفدر شمارہ 79، ستمبر 2017 ذوالحجہ 1438ھ)

اختلاف اور خلاف میں فرق :

ان میں درج ذیل فروق ہیں:

(۱) باب کا فرق

اختلاف بابِ افتعال سے ہے اور خلاف بابِ مفاعلہ سے ہے۔

(۲) تعریف کا فرق

اختلاف اس صورت کو کہا جاتا ہے جس میں ہر فریق کے پاس دلیل ہو اور خلاف اس صورت کو کہا جاتا ہے جس میں ایک فریق کے پاس دلیل ہو اور دوسرے کے پاس نہ ہو یا ایک فریق کے پاس قولِ راجح ہو اور دوسرے کے پاس قولِ مرجوح ہو۔

(۳) حکم میں فرق

اختلاف محمود ہے یعنی اس کا حکم یہ ہے کہ یہ جائز اور اچھی چیز ہے اور خلاف مذموم ہے یعنی اس کا حکم یہ ہے کہ یہ ناجائز اور بری چیز ہے۔

﴿۳﴾ گمراہ لوگوں کی موافقت و حمایت

مسلمانوں پر لازم ہے کہ اہلِ حق کی موافقت وحمایت اور گمراہ و بے دین لوگوں کی مخالفت کریں علماً بھی اور عملاً بھی۔ لیکن ''ہَوٰی'' کا یہ بھی کمال ہے کہ وہ اہلِ حق کی اجماعی مسئلہ میں بھی مخالفت اور گمراہ لوگوں کی موافقت وحمایت پر آمادہ کردیتی ہے۔

بطورِ مثال مسئلہ لفظِ ''خدا'':

لفظِ ''خدا'' کہنا جائز ہے یا ناجائز؟ علماءِ حق کا اس کے جواز پر اتفاق ہے جبکہ ایک چھوٹی جماعت اور غامدی جیسے افکارِ باطلہ کے حاملین کے نزدیک ناجائز ہے۔

بعض مولوی صاحبان غامدی اور اس شرذمہ قلیلہ ضالہ کی حمایت میں اپنی بساط کے مطابق جو کر سکتے ہیں کر رہے ہیں اور عدمِ جواز کو اپنے زعم کے مطابق دلائل قاطعہ سے ثابت کرتے ہیں البتہ لوگوں کی عقلوں پر پردہ ڈالنے کے لیے آخر میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ میں اس کو ناجائز نہیں کہتا، اولیٰ کہتا ہوں۔

لوگوں کے دلوں میں ناجائز ہونے کے شبہات پیدا کر کے علماءِ حق کے اعتراضات سے بچنے کے لیے آخر میں یہ کہنا کہ...... یہ خلافِ اولیٰ ہے...... ''ہَوٰی'' کی تعلیم ہے۔

ایک مشہور جامعہ کی مسجد میں دلیل دیتے ہوئے کہا کہ ''نام'' کا معنیٰ نہیں ہوتا (یعنی نام کا لغوی معنیٰ معتبر نہیں ہوتا، مثلاً ساجد کا معنیٰ سجدہ کرنے والا اور محمود کا معنیٰ تعریف کیا ہوا، لیکن نام کی صورت میں یہ معانی مراد نہیں ہوتے لہٰذا اگر ساجد کو کوئی یہ کہہ کر پکارے کہ اے سجدہ کرنے والے تو یہ غلط ہے اور کوئی پہچانے گا بھی نہیں، اسی طرح) طارق نام کا معنیٰ رات میں آنے والے، کھٹکھٹانے والے، اگر ان معانی سے اس کو پکارا جائے تو یہ درست نہیں اور غیر معتبر ہے، اسی طرح لفظِ ''اللہ'' کا کوئی لغوی معنیٰ نہیں، جس سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے۔

تنبیہ: مولانا کے اس قیاس کا حاصل ظاہر ہے کہ جس طرح کسی عالمِ دین کو اس کے نام کے لغوی معنیٰ کو لے کر پکارنا، یاد کرنا، بلانا غیر معتبر، نا سمجھی اور ناجائز اور غلط ہے اس طرح لفظِ

''خدا'' کو لفظِ اللہ کا لغوی معنی سمجھ کر اس کا استعمال ناجائز اور غیر معتبر ہے۔ لیکن اعتراض سے بچنے کے لیے مولانا پھر بھی آخر میں اس کو جائز کہتے ہیں۔

اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ اور لفظِ ''خدا'' کا استعمال :

اکابر علیہم الرحمۃ نے لفظِ ''خدا'' کو جہاں لفظِ ''اللہ'' کی جگہ پر استعمال کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ لفظِ ''خدا'' لفظِ ''اللہ'' کا لغوی معنی ہے جیسے مولانا نے سمجھا ہے۔ اکابر علیہم الرحمۃ نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ لفظِ ''خدا'' لفظِ ''اللہ'' کا لغوی معنی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح عربی میں لفظِ ''اللہ'' اس ذات کے لیے مستعمل اور بولا جاتا ہے جو واجب الوجود ہے اور تمام صفاتِ کمالیہ کے لیے جامع اور نقائص سے منزہ اور پاک ہے جس کی ''روح المعانی'' میں درج ذیل آیت کے تحت تصریح ہے۔

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ.[الحدید : ۱]

ولسان الحال كتسبيح غيرهم فإن كل فرد من أفراد الموجودات يدل بإمكانه وحدوثه على الصانع القديم الواجب الوجود المتصف بكل كمال المنزه عن كل نقص.

(روح المعانی، الجزء السابع والعشرون/۱۶۴، ط:مکتبہ امدادیہ)

اسی طرح فارسی، پشتو، اردو میں لفظِ ''خدا'' اور ''خدائے پاک'' بھی لفظ ''اللہ'' کے لغوی معنی کے طور پر استعمال نہیں ہوتا بلکہ اسی ذات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بعض فارسی لغت کی کتابوں میں تو اس کی تصریح بھی ہے۔

چنانچہ حسن اللغات میں لکھا ہے:

''خدا'' یہ لفظ ''خود'' اور ''آ'' یعنی آئندہ سے مرکب ہے اور یہ ترجمہ ہے واجب الوجود کا''۔ (ص:۳۳۶، ط: اورینٹل بک سوسائٹی، لاہور)

البتہ لفظِ ''اللہ'' اور لفظِ ''خدا'' میں یہ فرق ضرور ہے کہ عربی میں لفظِ ''اللہ'' اصح اور راجح

قول کے مطابق اس حقیقت کے سوا دوسرے معانی اور حقیقتوں میں مستعمل نہیں جبکہ لفظِ ''خدا'' اس حقیقت کے سوا دوسرے معانی اور حقیقتوں میں بھی مستعمل ہے۔ جیسے صاحب، مالک، آقا وغیرہ۔ چنانچہ حسن اللغات میں مندرجہ بالا معنی کے بعد ''صاحب''، ''مالک'' بھی لکھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ فرق عدمِ جواز کی دلیل نہیں۔

تنبیہ: کیا اکابر علماء کی یہ مخالفت اور غامدی کی تائید اور بے سروپا دلائل دینا، یہ مولانا صاحب گناہ سمجھ کر کر رہے ہیں یا جائز؟ جواب ظاہر ہے کہ جائز بلکہ اپنے اوپر واجب سمجھ کر کر رہے ہیں......اور یہی ''ہویٰ'' کا کمال ہے کہ گناہ کو گناہ کی فہرست سے نکال کر کروا دے۔

﴿٤﴾ حرام بصورتِ اسلامی بینکاری......

اس بینک کی تمام آمدنیاں، کمائیاں اور منافع حرام ہیں اور بینک انہی حرام منافع سے رقوم جمع کرنے والوں (کلائنٹس) کو یہ......حرام......نفع...... کے نام سے اور ملازمین کو تنخواہ کے نام سے دیتا ہے......اور...... لینے اور کھانے والے اس لینے اور کھانے کو حرام اور گناہ بھی نہیں سمجھتے...... بلکہ حرام کی فہرست سے نکال کر حلال سمجھ کر کھاتے ہیں، اس لیے توبہ استغفار کی فکر نہ غم...... بلکہ کھا کر الحمدللہ پڑھتے ہیں......

یہ ہے ''ہویٰ'' کا کمال جس نے صریح حرام کو حرام کی فہرست سے نکال کر حلال باور کرایا اور آج ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان بے خوف وخطر اس حرام کے مرتکب ہیں۔

منافع کی حرمت:

یہ فقہ کا اتفاقی قاعدہ ہے کہ خرید وفروخت میں اگر مشتری (خریدار) اور بائع (فروخت کنندہ، بیچنے والا) آپس میں ایسی شرط لگائیں جو عقدِ بیع کے مقتضیٰ اور طلب کے خلاف ہو اور اس شرط میں ان دو میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو تو یہ شرط...... ''شرطِ فاسد''...... ہے اور اس کی وجہ سے یہ خرید وفروخت کا معاملہ اور عقد بھی فاسد ہو جاتا ہے اور بتصریح حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ معاملاتِ فاسدہ میں دو بڑے گناہ ہیں:

ایک یہ کہ یہ بحکم سود ہیں یعنی ان میں سود کا گناہ ہے۔

دوسرا یہ کہ خریدار نے اگر مبیع اور خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کر کے آگے نفع پر بیچا تو وہ سارا نفع حرام ہے۔

اسلامی نامی بینکوں کی خرید وفروخت میں چونکہ اس قسم کی فاسد شرائط ہوتی ہیں جن کی وجہ سے یہ عقود اور معاملات فاسد ہو کر سارے رقوم جمع کرنے والے (کلائنٹس) بحکم سود گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور پھر ان معاملاتِ فاسدہ سے کمایا ہوا حرام نفع لے کر حرام کھانے کے گناہ میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بینک کی فاسد شرطیں:

بطورِ نمونہ دو شرطیں لکھی جاتی ہیں:

(۱) محدود ذمہ داری کی شرط پر خریداری کرنا:

سب جانتے ہیں کہ ہر اسلامی بینک لمیٹڈ ہے یعنی ان کی ذمہ داری محدود ہے...... ......بینک کی اس محدود ذمہ داری کا کیا مطلب؟ اور بینک کو یہ حق شریعت نے دیا...... یا کسی اور نے دیا؟ اور اس میں بینک کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس حق دینے میں شریعت کے کس قانون کو توڑا گیا ہے؟

ایک مجوز صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

''اگر عقد میں کوئی شرط کسی تیسرے اجنبی شخص کے ذمہ لگائی جائے تو عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط خود فاسد ہو جاتی ہے۔ علامہ شامی (رحمہ اللہ تعالیٰ) لکھتے ہیں:

المراد بالنفع ما شرط من أحد العاقدين على الآخر فلو على أجنبی لا يفسد و يفسد الشرط لما فی الفتح و الولوالجية: بعتک الدار بألف على أن يقرضنی فلان الأجنبی عشرة دارهم فقبل المشتری لايفسد البيع لأنه لا يلزم الأجنبی و لا خيار للبائع اهـ ملخصاً(ردالمحتار ۵/۸۵،باب البيع الفاسد)

اور البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

و فی المنتقى قال محمد: كل شیء يشترطه المشتری على البائع يفسد به البيع فاذا شرطه على أجنبی فهو باطل كما اذا اشتری دابة على أن يهبه فلان الأجنبی كذا فهو باطل كما اذا شرط على البائع أن يهبه،

اس کے حاشیہ پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قوله: فهو باطل أی فالشرط باطل كما فی البزازية (البحر ۱۴۱/۲)

یہاں محدود ذمہ داری کا شرکاء کے باہمی حقوق وفرائض سے تعلق نہیں یعنی یہ شرط ایک

شریک دوسرے شریک پر یا (اگر مفتی عبدالواحد صاحب کے بقول اجارہ ہے تو) مستأجر اجیر پر نہیں لگا رہا بلکہ یہ تمام حصہ داروں کی طرف سے اپنے دائنین کے لئے ایک اعلان یا ان کے ساتھ ایک شرط ہے کہ اگر کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں آپ کے دیون کمپنی کے اثاثوں سے زیادہ ہوئے تو آپ صرف اثاثوں کی حد تک ہی اپنے دیون وصول کرسکیں گے۔ اس اعلان کے مخاطب شرکا نہیں بلکہ شرکاء کے دائنین ہیں لہٰذا یہ شرط متعاقدین ایک دوسرے پر نہیں لگا رہے بلکہ اجنبی پر لگا رہے ہیں اور ایسی شرط مذکورہ عبارات فقہیہ کی روشنی میں خود تو باطل ہو جاتی ہے لیکن اس سے عقد فاسد نہیں ہو جاتا۔

محدود ذمہ داری کے ناجائز ہونے کی صورت میں یہ اعلان اور اجنبیوں پر یہ شرط عائد کرنا ناجائز ہوگا اور شرط بھی فاسد ہوگی لیکن اس کی وجہ سے عقد کو فاسد نہیں کہا جاسکتا‘‘۔

(غیر سودی بینکاری: ۳۴۵، ۳۴۶)

اس عبارت سے محدود ذمہ داری کا مطلب واضح ہو گیا کہ بینک جس وقت کسی سے گاڑی، مشینری وغیرہ سامان خریدتا ہے تو بیچنے والے پر یہ شرط لگاتا ہے کہ...... شریعت کا قانون...... اگرچہ یہی ہے کہ عقدِ بیع ہو جانے کے بعد جس طرح آپ (بیچنے والے پر) سارا مبیع (بیچا ہوا سامان) ہر حال میں میرے حوالے کرنا لازم ہے اسی طرح مجھ پر بھی سارا ثمن (سامان کی قیمت اور پیسہ) ہر حال میں دینا لازم ہے لیکن میں ......اس قانون...... کو بعض علماءِ کرام کی رہنمائی اور مدد سے...... توڑتا ہوں ......اور...... اپنی ذمہ داری کو محدود کرنا چاہتا ہوں ......وہ اس طرح کہ شرعاً تو میری ذمہ داری یہ ہے کہ خریداری کے بعد ہر صورت میں خواہ مجھے سامان میں نقصان ہو یا نفع، میرا دیوالیہ ہو یا نہ ہو...... میں پورے ثمن اور رقم کا ذمہ دار ہوں...... کہ تجھے دوں لیکن بعض علمائے کرام کی مدد سے میں بعض صورتوں کو مستثنیٰ کرکے اپنے ذمہ کو محدود کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ نقصانات اور دیوالیہ کی صورت

میں...... میں کل ثمن اور واجب الاداء رقم کے ادا کرنے کا ذمہ دار نہ ہوں گا بلکہ اثاثہ جات وغیرہ موجود مال کی بقدر ادائیگی کا ذمہ دار ہوں گا۔

اس تفصیل سے محدود ذمہ داری کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ بینک بعض صورتوں میں بیچنے والے کی بعض واجب الاداء رقوم سے اپنے کو بری کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ...... اس سے شریعت کے ایک قانونِ بیع کو ذبح کیا ہے ...... کس طرح؟...... اس طرح...... کہ قانونِ بیع تو یہ ہے کہ عقدِ بیع اور خرید و فروخت کے معاملے میں جتنی رقم واجب الاداء ہو اس پوری رقم کا ادا کرنا خریدار اور مشتری کے ذمہ واجب اور لازم ہے...... جبکہ ...... محدود ذمہ داری کو ’’**معیار**‘‘ بنا کر اس کے بہانے سے اس قانون کو توڑا اور ذبح کیا گیا ہے، کیونکہ قانونِ شریعت کا کہنا ہے کہ خریدار کا نقصان ہو یا نفع، ہر صورت میں ساری واجب الاداء رقم دینا ضروری ہے۔ بینک نے ’’محدود ذمہ داری‘‘ کی شرط لگا کر نقصان کی صورت اس سے نکال کر قانونِ شریعت کو توڑ کر ذبح کیا۔

یہ بھی واضح ہوا کہ اس قانون کو بینک کے نفع کے لیے توڑا اور ذبح کیا گیا۔

اور یہ بھی واضح ہوا کہ یہ قانونِ شرع کے توڑنے اور ذبح کرنے کا حق بینک کو شریعت نے نہیں دیا، بلکہ غیرِ شریعت (سرمایہ دارانہ نظام) نے دیا ہے، لہٰذا یہ شرط قانونِ شرع اور مقتضائے عقد کے خلاف اور دونوں میں سے ایک کے فائدے کی وجہ سے فاسد ٹھہری جس کی وجہ سے بینک کی تمام خریداریاں فاسد ہو گئیں جو بحکمِ سود ہیں۔

خریدنے کے بعد بینک اس خریدے ہوئے سامان کو آگے بیچ کر...... یا...... اجارے پر دے کر جو نفع کماتا ہے فسادِ بیع کی وجہ سے وہ سارا نفع حرام ہوا۔

نفع کمانے کے بعد بینک اس سارے حرام نفع کو تنخواہوں میں اور نفع کے نام سے ارباب الاموال (کلائنٹس) میں تقسیم کرتا ہے، جس سے یہ سب کے سب حرام میں مبتلا ہو کر حرام خور ہوئے۔

(۲) اجارہ اور لیز میں مرمت کی شرط کرائے دار پر لگانا :

سب جانتے ہیں کہ اسلامی نامی بینک جب کسی کو گاڑی کرائے پر دیتا ہے تو اس پر یہ شرط لگاتا ہے کہ گاڑی کی مرمت آپ کے ذمہ ہوگی ،ٹائر گھس گئے تو آپ نے ڈلوانے ہیں ،بیٹری، پلگ، وائرنگ وغیرہ کوئی پرزہ خراب ہوگیا تو آپ نے بنوانا ہوگا۔

قانونِ شرع:

اجارہ میں شریعت کے اس متفق علیہ قانون کو سب اہلِ علم حضرات جانتے ہیں کہ اجارہ میں معقود علیہ (وہ چیز جس کا کرایہ لیا جاتا ہے) وہ منفعت ہے جو کسی جوہر اور ذات سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا جب تک وہ جوہر اور ذات قابلِ منفعت ہوتی ہے کرایہ دار پر کرایہ لازم ہوتا ہے البتہ اگر وہ جوہر اور ذات خراب ہو کر قابلِ منفعت نہ رہے تو پھر اس وقت تک کرایہ دار پر کرایہ لازم نہیں ہوتا جب تک مالک اس کو بنا کر دوبارہ قابلِ منفعت نہ بنا دے............ شرعاً اس کی مرمت اور درستگی مالک کے ذمہ ہے اور جب تک مالک بنا کر قابلِ انتفاع نہ بنائے کرایہ کا مستحق نہ ہوگا۔

گاڑی کا مالک بینک چونکہ گاڑی کے تمام پرزوں کی منفعت کا کرایہ لیتا ہے لہٰذا شرعاً و قانوناً جو بھی پرزہ خراب ہوگا اس کی مرمت مالک کی ذمہ ہوگی اور جب تک مالک مرمت کر کے بنوا نہ دے گا کرایہ کا مستحق نہ ہوگا یہ مسئلہ اور قانون اتنا واضح ہے کہ عوام تک کو بھی معلوم ہے......دیکھیے! کسی شخص نے مثلاً لانڈھی سے ماری پور تک ٹیکسی کرایہ پر لی، راستے میں ٹیکسی کا ایک ٹائر پھٹ گیا، اب اس ٹائر کے بدلے دوسرا ٹائر خرید کر ڈلوانا کس کے ذمہ ہے؟ کرایہ دار کے یا ٹیکسی مالک کے؟ سب کو معلوم ہے کہ ٹیکسی مالک کے ذمہ ہے۔

اسی طرح راستے میں اگر پلگ خراب ہو جائے یا بیٹری خراب ہو جائے تو یہ ٹیکسی کے مالک کے ذمہ ہے نہ کہ کرایہ دار کے ذمہ۔

آج تک کسی ٹیکسی کے مالک کے ذہن میں بھی شریعت کے اس قانون کے خلاف نہیں

آیا اس لیے کرایہ دار سے آج تک کسی ٹیکسی مالک نے نہ کبھی ٹائر کا مطالبہ کیا ہے اور نہ ہی دوسرے پلگ وغیرہ پرزوں کا۔

ایک بینک ہے جو ایسا مالک ہے کہ وہ بعض علماء کی رہنمائی اور ان کے بیان کردہ ''**معیار**''......'' گاڑی کے بنیادی طور پر قابل انتفاع ہونے کے لئے جتنی مرمت کی ضرورت ہے، اس کے اخراجات بینک کے ذمہ ہوں'' (غیر سودی بینکاری ۲۴۰)......کی مدد سے شریعت کے اس اتفاقی قانون کو توڑ کر کرایہ دار سے کہتا ہے کہ کوئی پرزہ خود بخود استعمالِ عادی سے خراب ہو جائے یا آپ کے غلط استعمال سے خراب ہو جائے ہر صورت میں اس کا کرایہ اور پرزہ کی مرمت کا خرچ آپ پر لازم ہے، یہ وہ شرط اور ''**معیار**'' ہے جو عقدِ اجارہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہے اور اس میں دونوں میں سے ایک کا فائدہ ہے، یعنی بینک کا یہ فائدہ ہے کہ پرزہ کے خراب اور نا قابلِ انتفاع ہونے کے زمانے کا کرایہ بھی لے رہا ہے اور پرزہ کی مرمت کا خرچہ بھی کرایہ دار کے ذمے ڈال رہا ہے، جبکہ شرعاً بینک نہ کرایہ کا مستحق ہے اور نہ ہی یہ حق رکھتا ہے کہ مرمت کا خرچہ ہر صورت میں کرایہ دار پر ڈالے، لہٰذا اس شرطِ فاسد کی وجہ سے یہ عقدِ اجارہ فاسد ہوا اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ عقودِ فاسدہ بحکم سود ہیں اور ان سے حاصل شدہ منافع حرام ہیں۔

(۳) سیکورٹی ڈپازٹ کی شرط :

سب جانتے ہیں کہ دکان، مکان وغیرہ اشیاء کو کرایہ پر لینے کے وقت سیکورٹی ڈپازٹ کی بنیاد پر کرایہ وغیرہ میں کمی بیشی کا فائدہ حاصل کرنا سود ہے۔ مثلاً اگر سیکورٹی ڈپازٹ میں دس لاکھ ہے تو کرایہ دس ہزار ہے، بیس لاکھ ہے تو پانچ ہزار اور بدوں سیکورٹی ڈپازٹ پندرہ ہزار ہے تو اس کے سود ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، پھر بھی بینک بعض علماء کی رہنمائی اور بیان کردہ ''**معیار**'' ''فرصتِ ضائعہ......کی مدد سے اس سودی معاملہ کو لازماً کرتا ہے۔

جو شخص اجارہ اور لیز پر گاڑی لینے بینک جاتا ہے اگر یہ شخص سیکورٹی ڈپازٹ زیادہ دیتا

ہے تو کرایہ اور اقساط کم ہوتی ہیں، سیکورٹی ڈپازٹ کم دیتا ہے تو کرایہ اور اقساط زیادہ ہوتی ہیں اور یہ اتفاقاً سود ہے، جو بینک نے بعض علماء کی معاونت سے جاری کیا ہے اور ہر آنے والے پر ایک متعین مقدار میں سیکورٹی کے نام سے جمع کرنا مشروط اور لازم ہے، جبکہ اس شرط کا کسی بھی کتاب میں کوئی ثبوت نہیں، یہ شرط عقدِ اجارہ کے مقتضی کے خلاف بھی ہے اور اس میں دونوں میں سے ایک یعنی بینک کا فائدہ بھی ہے، لہٰذا یہ شرط......شرطِ فاسد ہوئی اور شرطِ فاسد سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اور عقدِ فاسد میں بحکمِ سود گناہ ہے اور آمدنی حرام ہے۔

تنبیہ :

سوال : بعض کہتے ہیں کہ سیکورٹی کی رقم رہن اور گروی ہے، اگر رہن جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے؟

جواب : اگر رہن اور گروی تسلیم کرلیا جائے تو گروی اور شے مرہون سے انتفاع جائز نہیں، جبکہ بینک ان رقوم کو استعمال کر کے نفع حاصل کرتا ہے اور اس کو حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ربا اور سود کہا ہے۔

سوال : بعض کہتے ہیں کہ سیکورٹی امانت ہے اس لیے جائز ہے؟

جواب نمبر۱: امانت میں مودع (امانت رکھوانے والے) کا اختیار ہوتا ہے جب چاہے نکالے، لیکن یہاں بینک کا اختیار چلتا ہے جب چاہے دے یا نہ دے۔

جواب نمبر۲ : امانت خرچ کرنے کے بعد قرض بن جاتا ہے لہٰذا قرض کی صورت میں جو مفاسد لازم آتے ہیں وہ سب یہاں بھی لازم ہوں گے۔

سودی بینک اور اسلامی نامی بینک کے منافع میں فرق ہے یا نہیں؟

اکابر علماء و مقتدر مفتیانِ کرام کی تحقیق تو یہ ہے کہ دونوں میں صرف نام کا فرق ہے کہ اسلامی نامی بینک نفع اور منافع کا نام استعمال کرتے ہیں اور سودی بینک صراحۃً سود کہہ کر دیتا ہے، حقیقت میں دونوں سود ہیں، کیوں کہ صرف نام سے حقیقت نہیں بدلتی، کتے کو اگر کوئی

بکری کا نام دے تو اس نام سے کتا حلال نہ ہوگا بلکہ پہلے کی طرح حرام ہی رہے گا، اسی طرح گدھے پر اگر نمک مل کر یہ کہا جائے کہ یہ نمک کا ٹکڑا ہے تو اس سے گدھا حلال نہ ہوگا، البتہ اگر گدھا نمک کی کان میں مر کر اتنی طویل مدت رہے کہ نمک اس کے سارے اعضاء کو گلا کر نمک کا پتھر بنا دے تو پھر حقیقت کے بدلنے کی وجہ سے کہا جائے گا کہ چونکہ گدھا اپنی حقیقت چھوڑ کر نمک کی حقیقت اختیار کر چکا ہے اس لیے اب وہ نمک کا ٹکڑا ہے اور حلال ہے۔

اسلامی نامی بینکوں میں ابھی تک تو نام کی تبدیلی ہے حقیقت نہیں بدلی، اوپر اوپر سے شریعت کی اصطلاحات مل دی گئی ہیں اندر سے وہی سود اور وہی نظامِ سود ہے جس پر درج ذیل معاملات واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ دونوں میں صرف نام کا فرق ہے حقیقت ایک ہے۔ جو بھی ان معاملات کو بنظرِ انصاف پڑھے گا اکابر علماء کے فرمان اور تحقیق کا ضرور یقین کرے گا۔

معاملہ نمبر۱ : سودی اور اسلامی نامی دونوں قسم کے بینکوں میں ایک ''**معیار**'' یہ بھی ہے کہ دو شخص ایک مقدار کی رقم جمع کریں لیکن ایک زیادہ مدت کے لیے دوسرا کم مدت کے لیے تو زیادہ مدت کی بنیاد پر بینک زیادہ نفع اور سود دیتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مثلاً زید اور عمرو نے دس دس لاکھ روپے لاکر سودی بینک میں جمع کر دیے، زید نے پانچ سال کے لیے اور عمرو نے دس سال کے لیے تو سودی بینک زید کو مدت کی کمی کی وجہ سے مثلاً فی لاکھ ایک ہزار روپے دیتا ہے اور عمرو کو مدت کی زیادتی کی وجہ سے فی لاکھ پندرہ سو روپے دیتا ہے، یعنی ہر ماہ زید کو دس لاکھ پر دس ہزار اور عمرو کو پندرہ ہزار سود مل رہا ہے، گویا عمرو مدت کی زیادتی کی وجہ سے ہر ماہ زید سے پانچ ہزار زیادہ سود لیتا ہے اور سال میں ساٹھ ہزار اور پانچ سال میں تین لاکھ زیادہ لے گا۔ اب اگر عمرو کو اچانک پانچ سال بعد رقم نکلوانے کی ضرورت پیش آجائے تو سودی بینک اس سے کہتا ہے کہ جب پانچ سال کے بعد آپ کو رقم نکلوانی ہے تو آپ پانچ سال کی مدت کی شرح سود کے مستحق بنتے ہو

جبکہ آپ دس سال مدت کی شرح سے پانچ سال میں تین لاکھ زیادہ سود لے چکے ہو لہٰذا یہ تین لاکھ کا جو فرق ہے اس کو اصل رقم سے منہا کر کے باقی سات لاکھ آپ لے سکتے ہیں۔

اس طرح سودی بینک زیادہ لیا ہوا سود کاٹ کر اس کو بقایا سات لاکھ دے دیتا ہے۔

بعینہٖ اسی طرح اسلامی نامی بینک میں بھی اگر دو شخص مثلاً زید اور عمرو دس دس لاکھ روپے لا کر جمع کریں، زید پانچ سال کے لیے اور عمرو دس سال کے لیے تو اسلامی نامی بینک زید کو نفع کے نام سے کم مثلاً فی لاکھ ایک ہزار اور عمرو کو مدت کی زیادتی کی وجہ سے فی لاکھ پندرہ سو روپے نفع کے نام سے مقرر کرتا ہے اس طرح ہر ماہ پانچ ہزار اور ہر سال ساٹھ ہزار اور پانچ سال میں تین لاکھ زید سے عمرو کو زیادہ نفع ملے گا اب اگر پانچ سال کے بعد عمرو نے رقم نکلوانے کا مطالبہ کیا تو بینک اس سے کہتا ہے چونکہ زیادہ مدت کی وجہ سے آپ کے لیے نفع کی شرح زیادہ مقرر کی گئی تھی اب آپ وقت سے پہلے پانچ سال کے بعد ہی نفع نکلواتے ہیں لہٰذا آپ پانچ سالہ شرح نفع کے مستحق بنتے ہیں جبکہ آپ دس سالہ مدت کی شرح سے پانچ سال میں تین لاکھ زیادہ نفع لے چکے ہیں، لہٰذا یہ تین لاکھ کا جو فرق ہے اس کو اصل رقم سے منہا کر کے باقی سات لاکھ آپ لے جائیں، اسی طرح اسلامی نامی بینک زیادہ لیا ہوا نفع بھی کاٹ کر اس کو بقایا سات لاکھ دے دیتا ہے۔ اور اس کے لیے ''**معیار**'' صرف نام بنایا ہے کہ سودی بینک کی کٹوتی کا نام ...... سود کی کٹوتی ...... ہے اور اسلامی بینک کی کٹوتی چونکہ بیع کے نام سے ہے اس لیے جائز ہے، جبکہ یہ اتفاقی حقیقت ہے کہ احکام کا مدار نام پر نہیں بلکہ حقیقت پر ہے، یہاں کٹوتی کی حقیقت بیع نہیں بلکہ سودی بینکوں کی طرح یہاں بھی نفع کے نام سے جو زیادہ سود لیا تھا یہ کٹوتی اس زیادہ شرحِ سود کو کاٹ کر باقی رقم کلائنٹ کو واپس دینا ہے۔

دیکھیے! اس معاملے میں سوائے نام کے اور کوئی فرق نہیں۔ سودی بینک نے اس کی جمع

کی ہوئی رقم کو صاف الفاظ میں قرض کہا، اسلامی نامی بینک نے اس قرض کو شرکت اور مضاربت کا نام دیا جبکہ حقیقت میں نہ مضاربت ہے نہ ہی شرکت، بلکہ قرض ہے۔

سودی بینک نے ہر ماہ ملنے والی رقم کو صاف الفاظ میں سود کہا جبکہ اسلامی نامی بینک نے اس سود کو نفع کہا جبکہ حقیقت میں سود ہے نفع نہیں۔

سودی بینک نے پانچ سال کے بعد زیادہ سود کاٹ کر بقایا رقم واپس کر دی، اسلامی نامی بینکوں نے بھی زیادہ لی ہوئی رقم کاٹ دی اگر یہ حقیقی مضاربہ اور شرکت ہوتی تو گزشتہ سالوں کا زیادہ لیا ہوا نفع نہیں کاٹتے، بلکہ وہ بھی اور آج کی تاریخ تک اگر مزید نفع ہوتا وہ بھی دیتے۔ یہ کاٹنا دلیل ہے کہ یہ نفع نام کا ہے، حقیقت میں سود ہے۔

معاملہ نمبر۲ : اسلامی نامی بینکوں کا کہنا ہے کہ جب مضارب ایک ہو اور ارباب الاموال (کلائنٹ) زیادہ ہوں تو یہ جائز ہے کہ مضارب ہر ایک کے ساتھ شرح نفع مختلف رکھے، کسی کو زیادہ دے کسی کو کم، مثلاً کسی کو پچاس فیصد کسی کو چالیس اور تیس فیصد شرح نفع طے کر لے اور یہ شرعاً جائز ہے اس میں کوئی قباحت اور شرعی محظور نہیں، بینک کی یہ بات درست اور شرعاً جائز ہے لیکن بینک کا یہ دعویٰ کہ وہ ایسا کرتا ہے اور اس کے مطابق نفع تقسیم کرتا ہے ممکن ہی نہیں...... کیونکہ یہ وہاں پر ممکن ہے...... جہاں خارج اور حقیقت میں مضاربت ہو...... جبکہ بینک میں نام کی مضاربت ہے، حقیقت میں وہ لوگوں سے قرض لے رہا ہے...... اس کی دلیل یہ ہے کہ جہاں حقیقی مضاربت ہو اور شرح نفع مختلف افراد کے ساتھ مختلف ہو وہاں ...... شرعی قانون ...... باتفاقِ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ...... یہ ہے کہ پہلے نفع ''کل سرمایہ تجارت'' پر تقسیم ہوتا ہے، پھر ہر فرد کے ساتھ مضارب طے شدہ شرح کے مطابق اس کے سرمایہ کا نفع تقسیم کرتا ہے، جبکہ اسلامی نامی بینکوں میں مدتِ تجارت کے کل سرمایہ پر نفع تقسیم کرنا نہ ممکن ہے، نہ کیا جاتا ہے۔

بندے نے ایک اسلامی نامی بینک کے حساب دان (چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ) سے پوچھا کہ

ہر ماہ یا ہر سال نفع کے نام سے جو تم تقسیم کر کے ارباب الاموال (اکاؤنٹ ہولڈرز) کو دیتے ہو کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کس اور کتنے سرمائے کا نفع ہے؟ کیونکہ تقسیم کے لیے دو مقداروں کا معلوم ہونا ضروری ہے: ایک ......مدتِ تجارت کے سرمائے کی کل مقدار...... دوسرے......اس سرمائے کے نفع کی کل مقدار......

میں نے کہا: آپ کے بینک میں تو ہر دن کا سرمایہ الگ اور جدا ہے تو آپ کس قانون اور قاعدہ سے پہلے تاریخ سے لے کر تیس تاریخ تک کے کسی ایک دن کے سرمائے کی مقدار کو معیارِ نفع بناتے ہیں؟ جواب میں انہوں نے بجائے قانون اور قاعدہ بتانے کے میرے اشکال کو مزید پختہ کرتے ہوئے کہا کہ ہر دن کا نہیں بلکہ ہر گھنٹے کا سرمایہ جدا ہوتا ہے۔

دوستو! جب بینک میں ہر گھنٹے کا سرمایہ جدا ہوتا ہے تو وہ کیسے معلوم کر سکتا ہے کہ کس سرمائے نے کیا اور کتنا کمایا ہے؟ آپ بھی تسلی کے لیے کسی بھی اسلامی نامی بینک میں جا کر پوچھیے کہ پہلی تاریخ کو میں دس لاکھ روپے دے رہا ہوں، مہینے کے آخر میں آپ اس کا کتنا نفع دیں گے؟ تو وہ آپ کو نفع بتا دے گا کہ اتنا دیں گے، اس پر آپ دوسرا سوال کیجیے کہ وہ کونسی چیز اور سامان ہے جس کو آپ نے میرا پیسہ آنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر اندر خریدا بھی اور پھر اس کو بیچا بھی اور پھر اس پر نفع بھی آیا جس کو آپ مہینے کے آخر میں طے شدہ شرح کے مطابق مجھے دے رہے ہیں، ان شاء اللہ العزیز یقین آجائے گا کہ آپ کے سرمایہ پر اس مہینے اس نے ایک روپیہ بھی نہیں کمایا، پھر بھی آپ کو ایک مہینہ بینک کے پاس رہنے کی وجہ سے نفع کے نام سے دے رہے ہیں، جیسے سودی بینک رقم رہنے کی وجہ سے دیتا ہے دونوں رقم رہنے کی وجہ سے ماہانہ دے رہے ہیں، خواہ آپ کا پیسہ کمائے یا نہ کمائے۔ فرق اتنا ہے کہ سودی بینک نے سچ بول کر آپ کی رقم کو قرض اور زیادتی کو سود کہا، اور اسلامی نامی بینک نے خلافِ واقع بات بول کر آپ کی رقم کو کاروباری سرمایہ اور زیادتی کو نفع کا نام دیا۔

پس واضح ہوا کہ اسلامی بینکوں کی مضاربت و شرکت صرف نام کی حد تک ہے، حقیقت

میں قرض ہے جس پر سود دیا جاتا ہے۔ حقیقی مضاربت و شرکت میں تقسیم کی دونوں مقداریں معلوم ہوتی ہیں یعنی مدتِ تجارت کا کل سرمایہ اور تجارت کے بعد سرمائے کا نفع......جبکہ بینک میں حساب دان بھی یہ مقداریں نہ بتاتے ہیں اور نہ ہی بتانا ممکن ہے۔ اور جہاں یہ دو مقداریں معلوم نہیں وہاں تقسیم ممکن ہی نہیں۔

الحاصل! مضاربت اور شرکتِ بنوکیہ صرف نام کی مضاربت اور شرکت ہے نہ کہ حقیقۃً

دلیل اس کی یہ ہے کہ حقیقی مضاربت اور شرکت میں دو مقداروں کا معلوم ہونا لازم اور ضروری ہے:

(۱) مدتِ تجارت کے کل سرمایہ کی مقدار۔

(۲) کل نفع کی مقدار۔

جبکہ بینک میں یہ دونوں مجہول اور نامعلوم ہیں اور مجہول بھی اس درجہ کا کہ اس کا معلوم ہونا ناممکن ہے۔

معاملہ نمبر۳ : بینک میں مضاربت کا کیا فائدہ؟

بعض مجوزین حضرات نے لکھا ہے کہ اسلامی نامی بینکوں میں دو عقد ہوتے ہیں ایک عقد شرکت......جو رقم جمع کرنے والوں کے درمیان ہوتا ہے اور دوسرا عقدِ مضاربت......جو رقم جمع کرنیوالے اور بینک کے درمیان ہوتا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”جو لوگ بینک کے اکاؤنٹ میں رقمیں جمع کرتے ہیں، وہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ شرکت کرتے ہیں، پھر یہ سب مل کر بینک سے مضاربت کرتے ہیں جس میں اکاؤنٹ ہولڈر ارباب الاموال ہیں اور بینک مضارب ہے۔ (غیر سودی بینکاری، ص:۳۱۲)

یہاں عقدِ شرکت تو سمجھ میں آتی ہے کہ سب کی رقوم آپس میں جمع ہو گئیں لہٰذا ان کے درمیان مالی شرکت ہو گئی......رہی یہ بات کہ......شرعاً یہ شرکت معتبر ہے یا نہیں؟......تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ اگر اس میں شرعی ضرورتوں اور شرائط کا لحاظ رکھا جاتا تو معتبر اور شرعی شرکت ہوتی، برائے نام نہ ہوتی لیکن اس میں چونکہ کئی شرعی شرطوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے اس لیے

یہ بھی صرف نام کی شرکت ہے شرعی اور حقیقی نہیں۔

یہاں عقدِ مضاربت کا دعویٰ اور عمل کس لیے ہے اور صحیح ہے یا نہیں؟

تو اس کا جواب مجوزین کے اس قول...... ''بینک شخصِ معنوی اور قانونی مثل حقیقی شخص کے تصرف کرنے والا ہے اور مالک بینک کے لیے گویا یہ عبد ماذون فی التجارۃ (یعنی وہ غلام جس کو مالک نے تجارت کرنے کی اجازت دی ہو کی طرح) ہے''...... کے پیش نظر یہ ہے کہ مالک کا اپنے زرخرید غلام سے مضاربت کرنا لغو اور فضول ہے کیوں کہ اس غلام کی پوری کمائی مالک کی ہے، اب اگر یہ مالک سے عقدِ مضاربت کر کے نفع کا مثلاً آدھا حصہ لے گا تو وہ آدھا کیا کرے گا؟ آخر میں وہ پھر مالک ہی کو دے گا کیوں کہ یہ غلام اور اس کے پاس جو کچھ ہے ان سب کا مالک وہی ہے۔

الحاصل! اپنے غلام سے عقدِ مضاربت ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنے آپ سے مضاربت کرے کہ خود رب المال بھی ہو اور مضارب بھی، اور یہ فضول اور بے فائدہ ہے۔ مضاربت کی صحت کے لیے دو ایسے افراد کا ہونا ضروری ہے جن میں سے ایک مال کا تنہا مالک ہو اور دوسرا عمل اور کام میں آزاد ہو جبکہ شخصِ قانونی عمل کے نفع کا تنہا مالک نہیں بلکہ خود اپنی جان کا بھی مالک نہیں، جس کا یہ غلام ہے وہی غلام اور اس کے عمل کے نفع کا مالک ہے اس لیے یہ مضاربت صحیح نہیں۔

اسلامی نامی بینکوں میں جتنے لوگوں نے رقم جمع کی ہے وہ سب بینک (اس غلام) کے مالک ہیں تو ان کی اپنے غلام سے مضاربت شرعی مضاربت نہیں۔

الحاصل! یہ بھی صرف نام کی مضاربت ہے جو شرعاً غیر معتبر ہے۔

رہی یہ بات کہ اس مضاربت کا فائدہ کیا ہے؟......تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا فائدہ ......سرمایہ دارنہ ظالمانہ نظام کو تحفظ دینا......اور......کم سرمایہ رکھنے والوں کے خون کو چسوانا ہے......کس طرح؟......اس طرح کہ یہاں......قانونِ شرعی......کہ شرکاء مالک ہوتے ہیں

خواہ ان سب کے حصص برابر ہوں یا بعض کے زیادہ اور بعض کے کم ہوں جیسے کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور وہ ترکہ میں مثلاً مکان چھوڑ دے اور وارثوں میں بیوہ، بیٹا، بیٹی، والدہ اور والد چھوڑ دے تو یہ سارے وارث اس مکان کے مالک ہیں اگرچہ میراث اور ملکیت کے اعتبار سے ان کے حصے کم زیادہ ہیں پھر بھی شرعاً شریک بھی ہیں اور بقدرِ حصہ میراث مالک بھی ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ جس وارث کا حصہ میراث سب سے زیادہ ہے صرف وہی مکان کا مالک ہے دوسرے صرف شریک ہیں مالک نہیں۔

اسلامی نامی بینکوں میں نادانستہ یا دانستہ طور پر اس......شرعی قانون......کو بھی توڑا گیا ہے اور اس کے خلاف یہ کہا گیا ہے کہ جس شریک کا حصہ سب سے زیادہ ہے وہی بینک کا مالک ہے اور دوسرے صرف شیئر ہولڈرز اور حصص لینے والے ہیں مالک نہیں۔

اب جب بینک جو شخصِ معنوی، قانونی اور عبد ماذون فی التجارۃ ہے کا مالک صرف ایک کو بنا دیا ہے دوسرے شرکاء کو نہ اس کا مالک مانتے ہیں اور نہ ہی اس غلام کے عمل اور نفع سے ان کا کوئی تعلق مانتے ہیں تو اب ظاہر ہوا کہ مضاربت کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے مالدار کو مالدار تر اور غریب کو غریب تر بنانا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام جو سراسر ظالمانہ نظام ہے کو پورے طور پر تحفظ دینا ہے...... کیونکہ فرضی شخص قانونی اور مضاربت کے حیلہ اور واسطہ سے دوسرے شرکاء کے نفع میں سے آدھا یا کچھ نفع لے کر بڑے سرمایہ داروں کو دیا جاتا ہے۔

الحاصل! ان کے اپنے سرمائے کا پورا نفع بھی ان کو ملتا ہے اور دوسروں کے سرمایہ کا آدھا وغیرہ نفع بھی، نیز اگر یہ سرمایہ دار کوئی کام کرتے ہیں تو اس کی الگ سے اجرت اور فیس کے نام سے تنخواہ بھی لیتے ہیں......

یہ ہے......اسلامی بینک......جس کے ذریعے غریبوں اور کم درجہ کے مالداروں کا خون تین طرح چسوایا جاتا ہے اور وہ بھی کسی غریب تر اور جاں بلب کو نہیں بلکہ مالدار تر کو:

(۱) مالدار تر کو اس کے سرمائے کا پورا نفع دیا جاتا ہے جب کہ غریب کو آدھا یا طے شدہ

شرح سے۔

(۲) مال دار کو تنخواہ اور فیس کے نام سے الگ بھی ملتا ہے جس سے غریب محروم ہے۔

(۳) مضاربت اور شخصِ قانونی اور غلام مأذون کے بہانے سے غریبوں کے سرمایہ کے نفع میں سے آدھا یا کچھ زیادہ یا کم لے کر وہ بھی مالدار تر کو دیا جاتا ہے، یہ ہے......اسلامی بینک......اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ایک مفتی صاحب نے سو فیصد سے بھی زیادہ سچ اور حق تحریر فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

’’اگر کوئی شخص مجھ سے ذاتی طور پر دریافت کرتا ہے کہ میں اسلامی بینکوں سے مالی معاملہ کروں یا نہ کروں؟ تو میں اس سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا وہ سودی بینکوں سے معاملات کرتا ہے یا نہیں؟

(الف)......اگر وہ یہ بتاتا ہے کہ میں نے سودی بینکوں سے کبھی کوئی معاملہ نہیں کیا اور میں اس کے بغیر بھی کام چلا سکتا ہوں تو میں اسے یہی کہتا ہوں کہ وہ **غیر سودی بینکوں سے بھی دور رہے** اور ان سے معاملہ نہ کرے۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو غیر سودی بینکوں میں بھی **تمویل کے جتنے معاہدے ہوتے ہیں وہ بہر صورت مداینت پیدا کرتے ہیں جو قوی ضرورت کے بغیر اختیار کرنا اچھا نہیں۔**

دوسرے یہ **کوئی عوامی فلاح کے ادارے نہیں ہیں** جن کے پیش نظر عوامی فلاح ہو، یہ خالص تجارتی ادارے ہیں۔ ان کے **مالکان اور ذمہ داران میں سے ایک تعداد اُن لوگوں کی بھی ہے جن کی نشو ونما سرمایہ داری پر مبنی سودی بینکاری کے ماحول میں ہوئی** اور وہ اسلامی نظام عدل سے کما حقہ واقف نہیں، تجارتی ادارے ہونے کی بناء پر ان کا مقصد منافع حاصل کرنا ہے اور **اپنی ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی، غیر معمولی تنخواہوں اور دیگر غیر معمولی سہولیات کو تحفظ دینا ہے اور بسا اوقات خواہ جائز عقود ہی کے ذریعے یہ عوام کے روپے سے ان کو نفع تو کالعدم دیتے ہیں اپنے نفع کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔**

(جواب تحریر حضرت مولانا عبدالرحمٰن کوثر صاحب مدینہ منورہ والے ص:۲)

سودی وغیر سودی بینکوں میں نفع کا فارمولا:

ایک مرتبہ ایک ریٹائر منیجر اسٹیٹ بینک ہمارے ہاں جامعہ میں تشریف لائے تھے ان سے اسلامی نامی بینکوں کے حوالے سے بات ہوئی، ان میں سے ایک بات یہ بھی بندہ نے پوچھی کہ بینک بنانے کے بعد دوسروں کو شریک کرنے اور ان کے مالک بنانے کا طریقہ کیا ہے؟ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ مالک صرف وہی ہوں گے جنہوں نے شروع میں رقوم جمع کر کے بینک قائم کیا ہے اس کے بعد جو لوگ آکر رقم جمع کرتے ہیں وہ صرف شیئر ہولڈرز ہوں گے، نہ وہ بینک میں شریک ہیں اور نہ مالک۔

منیجر صاحب نے بعد میں آنے والوں کے نفع کے متعلق بھی عجیب انکشاف فرمایا......فرمانے لگے: جو شروع میں بینک بنانے والے شرکاء اور ملاک ہیں یہ آپس میں مشورہ سے بعد میں آنے والے شیئر ہولڈرز کا نفع مقرر کر کے دیں گے......اس پر بندہ نے جب یہ اشکال کیا کہ شریعت میں تو مشورہ سے نفع دینے کا کوئی قانون نہیں......تو کہنے لگے کہ ہاں! شریعت میں تو نہیں لیکن ان بینکوں میں ہے کہ ابتداء میں زیادہ سرمایہ جمع کرنے والے شرکاء اور مالک ہوتے ہیں اور سب کچھ انہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور بعد والے صرف شیئر ہولڈرز قرار دیے جاتے ہیں جن کو مشورہ سے نفع کے نام سے دیا جاتا ہے۔

اس منیجر صاحب کی بات سے بھی یہی معلوم ہوا کہ بینکوں کا نظام اسی پر قائم ہے کہ بعد میں رقوم جمع کرنے والوں کو شریک اور مالک نہیں سمجھا جاتا......اور......اسلامی نامی بینک بھی اسی فارمولا اور تصور پر قائم ہے۔

اس فارمولا کے اعتبار سے دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہ فارمولا سودی بینک میں کسی شرعی قانون کو نہیں توڑتا کیونکہ سودی بینک میں لوگ بطور قرض رقم جمع کرتے ہیں نہ کہ بطورِ شرکت و مضاربت، اس لیے وہ شریک اور مالک نہیں جبکہ اسلامی نامی بینک میں تو مضاربت اور شرکت ہوتی ہے جس کے ساتھ ملکیت لازم ہے لیکن پھر بھی وہ مالک نہیں مانتے۔

شرکت ومضاربت میں ملکیت کے لزوم کا شرعی قانون کیوں توڑا گیا؟

بعض علماء کی رہنمائی اور مدد سے اس قانونِ شرعی کو توڑ کر اس فارمولا کو جاری کیا گیا ہے تا کہ اس بینک کی دولت بھی دوسرے بینکوں کی دولت کی طرح چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں رہے اور کم درجہ کے سرمایہ داروں پر ظلم کرتے رہیں۔ فواعجبا۔

معاملہ نمبر۴: دو دوستوں نے مثلاً دس دس لاکھ روپے جمع کر کے کپڑے کا کاروبار یکم رمضان المبارک سے شروع کیا، کاروبار میں نفع ہوتا رہا جس سے دونوں گھر کے اخراجات بھی چلاتے رہے، کچھ نفع کاروبار میں بھی استعمال ہوتا رہا، چھ ماہ بعد ان کا ایک تیسرا دوست آیا اور اس نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ برابر کی شرکت چند شرائط کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں لہٰذا اگر تم ان شرائط کو مانتے ہو تو مجھ سے دس لاکھ لے کر اپنے ساتھ شریک کر لو، ان دونوں نے پوچھا وہ شرائط کیا ہیں؟ اس نے کہا یہ ہیں:

(۱) گذشتہ چھ ماہ کا نفع بھی تمہارے اصل سرمایہ کے ساتھ مل کر اس سے بھی کاروبار کیا جائے گا۔

(۲) مزید چھ ماہ کاروبار کے نفع میں سے تم دونوں کو اصل سرمایہ (یعنی دس دس لاکھ) کا نفع تو ملے گا لیکن آپ کے گزشتہ چھ ماہ کے نفع نے آخری چھ ماہ میں جو نفع کمایا ہے وہ نہیں ملے گا بلکہ وہ نفع بھی ہم تینوں کے اصل سرمایہ (تیس لاکھ) کا سمجھا جائے گا اور وقت کی کمی و زیادتی کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔

(۳) گذشتہ چھ ماہ کا نفع اگر آخری چھ ماہ کے نفع کے مقابلے میں زیادہ ہوا تو اس میں سے کچھ نفع مجھے دینا ہوگا لہٰذا گزشتہ چھ ماہ کے نفع کا مکمل صحیح حساب کر کے مجھے بتانا ضروری ہے۔

قارئینِ کرام! یہ تینوں شرائط بدیہی اور واضح طور پر خلافِ شرع ہیں کیوں کہ:

پہلی شرط کا خلافِ شرع ہونا:

جن حضرات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب اور قول کی بناء پر اس شرکت اور مضاربت کو جائز کہا جاتا ہے، یہ شرط نمبر ایک ان کے قول کے بھی خلاف ہے کیونکہ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق جواز کے لیے جملہ عروض کی قیمت لگانا پھر اس قیمت کو سرمایہ بنانا، اور پھر اسی جدید سرمائے کے تناسب سے نفع تقسیم کرنا ضروری ہے۔

یہ شرائط ان ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی مشروط اجازت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ثابت ہوا کہ یہ شرکت کسی بھی مذہب میں جائز نہیں۔

دوسری شرط کا خلافِ شرع ہونا:

یہ شرط بھی حضرات مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے خلاف ہے، حضرات فقہاءِ کرام علیہم الرحمۃ نفع کو اصل سرمایہ کے ساتھ ملا کر کُل سرمایہ بناتے ہیں اور پھر اس کل سرمایہ کے نفع کا مستحق قدیم شرکاء کو بناتے ہیں۔ کسی ایک فقیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس نفع کو قدیم شرکاء کے اصل سرمایہ سے نہ الگ شمار کیا ہے اور نہ ہی اس نفع کے کاروبار کے نفع میں دوسروں کو شریک مانا ہے ورنہ حوالہ پیش کیا جائے۔ اذ لیس فلیس۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرط نمبر۲ خلافِ شرع اور بدیہی اور واضح طور پر غلط اور ناجائز ہے۔

تیسری شرط کا خلافِ شرع ہونا:

یہ شرط بھی بدیہی اور واضح طور پر خلافِ شرع اور غلط ہے کیونکہ گذشتہ چھ ماہ کا نفع ان دونوں کا منفرد نفع ہے اور مالِ منفرد میں شرکت کی شرط لگانا تمام ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتفاقاً ناجائز ہے۔

وفی الهندية : فی النوازل سئل أبو القاسم عن رجل دفع إلی رجل مالا یعمل به علی أن الربح بینهما وقال: لا أرضی بأن تعمل فی شرکة غیری فإن عملت فی شرکة غیری فإنی أرید منه الحصة

وتراضيا على ذلك فعمل المدفوع إليه في شركة آخر وربح قال: ليس لرب المال شركة في ربح ما عمله مضاربة في غير المال الذي دفع إليه كذا في التتارخانية......(وبعد اسطر)...... والملك إذا وقع لأحد الشريكين بسبب سابق على الشركة لا يشاركه الآخر فيه كما لو اشترى عبدا بشرط الخيار للبائع ثم فاوض المشترى رجلا ثم أسقط الخيار فإنه لا يكون لشريكه في العبد شركة ويخير بين أن يرجع على الآمر أو على شريكه الثاني ثم يرجع عليه كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية ۲/۳۴۶، ط: رشيديه)

وقال العلامة ابن قدامة الحنبلي رحمه الله تعالىٰ: وإن قارض إثنان واحدا بألف لهما جاز وإذا شرطا له ربحا متساويا منهما جاز وإن شرط أحدهما له النصف والآخر الثلث جاز ويكون باقي ربح مال كل واحد منهما لصاحبه وإن شرطا كون الباقي من الربح بينهما نصفين لم يجز وهذا مذهب الشافعي وكلام القاضي يقتضي جوازه وحكي ذلك عن أبي حنيفة و أبي ثور ولنا أن أحدهما يبقى له من ربح ماله النصف والآخر يبقى له الثلثان فإذا اشترطا التساوي فقد شرط أحدهما للآخر جزءا من ربح ماله بغير عمل فلم يجز كما لو شرط ربح ماله المنفرد.

(المغني لابن قدامة ۵/۱۴۶ بحواله غير سودى بينكاري: ۳۱۳ از دار العلوم كراچى)

الحاصل! مندرجہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ تینوں شرطیں نہ صرف یہ کہ خلافِ شرع ہیں بلکہ خلافِ عقل بھی ہیں۔کوئی مجوز صاحب محلے کے کسی اَن پڑھ دکاندار کے پاس جا کر اس طرح شرکت کی بات کریں اور یہ شرائط لگائیں کہ گذشتہ اتنے ماہ کے نفع کو بھی اس خاص فارمولے کے تحت تقسیم کیا جائے گا، آپ کا گذشتہ نفع کاروبار میں استعمال ہوگا لیکن اس کا نفع تنہا آپ کا نہ ہوگا بلکہ اس میں میں بھی شریک ہوں گا تو دیکھیے گا کہ وہ آپ کو کسی نفسیاتی

ہسپتال جانے اور علاج کرنے کا مشورہ دیتا ہے یا ان خلافِ شرع وعقل شرائط کو مانتا ہے۔

نیز اگر دکاندار نے یہ کہا کہ گذشتہ نفع کی تقسیم کی بات تو آپ کرتے ہیں مگر گذشتہ مہینوں میں اگر نقصان ہوا ہو تو کیا اس کا بوجھ اٹھانے کو بھی آپ تیار ہیں؟......ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں وہ یہ کہے گا کہ یہ نقصانات شرعاً میرے ذمہ نہیں، اس لیے میں شریک نہیں ہوں۔ اب دکاندار کہے گا کہ جب آپ ضمان اور نقصان کے ضامن نہیں اور آپ کا مال بھی نہیں اور عمل بھی نہیں تو آپ نفع کے مستحق کیسے بنے؟ استحقاقِ نفع کے تو یہی تین اسباب ہیں اور اس صورت میں ان میں سے ایک بھی نہیں۔اور ایسے ہی عقلاً بھی جدید شریک گذشتہ نقصان کا ذمہ دار نہیں ہے، جیسا کہ کسی پر یہ بات مخفی نہیں۔

اسلامی بینک اور خلافِ شرع مذکورہ تین شرائط:

سوال: کیا مذکورہ تین خلافِ شرع شرائط جن میں اصولِ شریعت کو توڑا گیا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کا فارمولا استعمال کیا گیا ہے، اسلامی نامی بینکوں میں نافذ العمل ہیں؟ اگر ہیں تو اس کا حوالہ درکار ہے؟

جواب: جی ہاں! عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنی کتاب میں سادہ سی مثال کے تحت لکھتے ہیں :

> ’’جہاں تک شرکاء کے وقفے وقفے سے شرکت میں داخل ہونے کا تعلق ہے، اس کے لئے **ایک سادہ سی مثال** پر غور کرلیں۔فرض کیجئے زید اور عمرو کا ایک چلتا ہوا کاروبار ہے جو مختلف نوعیت کے معاملات پر مشتمل ہے۔یہ دونوں اپنے نفع ونقصان کا حساب سالانہ یکم رمضان کو کرتے ہیں۔اب یکم رمضان سے چھ مہینے پہلے بکر ان سے کہتا ہے کہ میں بھی آپ کے کاروبار میں سرمایہ ڈال کر شریک ہونا چاہتا ہوں، چونکہ زید اور عمرو کو بھی اپنے کاروبار میں وسعت لانے کے لئے مزید سرمائے کی ضرورت ہے، اس لئے وہ بکر کو

شریک کرنے پر رضامند ہوجاتے ہیں، اور یہ طے کرتے ہیں کہ بکر اتنا سرمایہ کاروبار میں ڈالے گا جس سے وہ کاروبار کے ایک تہائی حصے میں شریک ہوجائے، اور نفع کا تناسب بھی تینوں شرکاء کا ایک ایک تہائی ہوگا، البتہ یکم رمضان کو جب نفع ونقصان کا حساب ہوگا تو چونکہ بکر کی حصہ داری صرف چھ ماہ رہی ہے جو دوسرے دو حصہ داروں کے مقابلے میں آدھی ہے، اس لئے وہ ایک تہائی نفع کے نصف، یعنی چھٹے حصے کا حق دار ہوگا۔ اگر تینوں فریق اس پر متفق ہوجائیں تو بظاہر " الربح علی ما اصطلحا علیه" کے قاعدے کے عموم کے پیش نظر اس میں شرکت کے کسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بس "یومیہ پیداوار" کی بنیاد پر نفع کی تقسیم کا یہی مطلب ہے۔"

(غیر سودی بینکاری ۳۰۳ تا ۳۱۷)

دیکھیے! اس عبارت میں بدوں عروض کی قیمت لگائے شرکت کی اجازت دی گئی ہے جس میں سارے مذاہب کو چھوڑ کر دانستہ یا نادانستہ طور پر سرمایہ دارانہ نظام کا کوئی فارمولا استعمال کیا گیا ہے اور گزشتہ نفع کو سرمایہ کے ساتھ ملائے بغیر تقسیم نفع کا مدار صرف اصل سرمایہ پر رکھا گیا ہے، نیز ایک ۱/۶ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ نفع نے جو آخری چھ ماہ میں کمایا ہے اس کا بھی الگ اعتبار نہیں کیا گیا ہے، ورنہ ایک ۱/۶ کا حکم نہ لگاتے بلکہ کم کا لگاتے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بعض صورتوں میں گذشتہ چھ ماہ کے نفع سے بھی ملے گا، کیوں کہ جن صورتوں میں گذشتہ چھ ماہ کا نفع زیادہ ہوگا اور آخری چھ مہینوں کا کم تو ان صورتوں میں گذشتہ منفرد نفع میں سے بھی اس تیسرے فرد کو ملے گا، جیسے مثلاً اگر گذشتہ چھ ماہ میں بارہ لاکھ نفع ہوا ہو اور آخر میں چھ...... اب بارہ اور چھ کو جمع کر کے فارمولے کے مطابق چھ پر تقسیم کیا جائے تو اس تیسرے فرد کو تین لاکھ ملے گا جن میں سے دو لاکھ آخری چھ ماہ کے نفع میں سے ملا اور ایک لاکھ گذشتہ منفرد نفع میں سے۔

قارئینِ کرام! مندرجہ بالا عبارت آپ نے ملاحظہ فرمالی جس میں خلافِ شرع یہ تینوں

شرائط پائی جارہی ہیں اور بینک کو اسی کے مطابق نفع تقسیم کرنے کا فارمولا دیا گیا ہے، جو شریعت کے یکسر خلاف ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: یہاں مثال صرف شرکت کی دی ہے جبکہ بینک میں شرکت و مضاربت دو عقد ہوتے ہیں، مثال بھی دو عقدوں کی لازم ہے۔ شاید دو عقدوں کی مثال ابھی تک بنی نہ ہوگی۔

تنبیہ نمبر ۲: تسلی کے لیے کہا جاتا ہے کہ مجوزین اور مانعین کا اصل اختلاف بینک کی ضرورت وعدم ضرورت کا ہے۔ مجوزین ضرورت مانتے ہیں اور اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی ضرورت محسوس فرمائی ہے۔ جبکہ آج کے مانعین سرے سے بینک کی ضرورت کے منکر ہیں۔

حقیقت: اس بات کو صرف تسلی کے لیے کہا جاتا ہے، اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں...... کیوں؟...... اس لیے کہ مانعین بھی اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح ضرورت کے قائل ہیں، البتہ اختلاف صرف ضرورت کے درجہ میں ہے۔ مجوزین کے نزدیک اس درجہ ضرورت ہے جس سے مضطر کو مردار اور خنزیر کھانے کی رخصت مل جاتی ہے، اس لیے یہ حضرات قوانین شرع کو توڑنے اور حرام اور اکل بالباطل کی صورتوں کو ضرورتِ بینک کی وجہ سے درست سمجھتے ہیں۔

مانعین کہتے ہیں کہ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس درجہ کی ضرورت بینک کو نہیں بتایا، اس لیے مانعین قوانین شرع کے توڑنے اور حرام کھانے کی صورتوں کو بینک کی ضرورت کی وجہ سے جائز نہیں سمجھتے۔

﴿۵﴾ حرام بصورتِ تکافل............

اس میں انشورنس اور بیمہ سے حرام زیادہ نہ ہوتو کم بھی نہیں ہے۔

درج ذیل وجوہ سے یہ ناجائز اور حرام ہے :

(۱) اس کی بنیادی اور اصل آمدنی لوگوں سے چندہ کی بھیک اور خیرات ہے جس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے، آپ ﷺ نے ایسی بھیک کو جہنم کے انگارے فرمایا ہے۔

بعض مجوزین نے خود لکھا ہے کہ:

''(۱) (وقف شدہ رقم) ہمیشہ فنڈ یا پول میں باقی رہے گی، کیوں کہ یہ اصل وقف ہے۔

(۲) (وقف پول) کا ایک مستقل معنوی وجود ہوگا جو کہ شخصِ حقیقی کی طرح مالک اور مملک بنے گا۔

(۳) (موقوف علیہم) ایک خاص مقدار میں حسبِ شرائط وقف نامہ فنڈ کو چندہ دیں گے۔

(۴) (یہ چندہ) وقف نہیں ہوگا، بلکہ مملوکِ وقف ہوگا لہٰذا اس کو وقف کے اغراض کے لیے خرچ کرنا جائز ہوگا۔ (ملخص: از تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۹۱، ط: ادارۃ المعارف)

اس عبارت میں مجوز صاحب نے مان لیا ہے کہ چندہ کی یہ بھیک وقف پول اور فنڈ جو...... زر......اور لاکھوں، کروڑوں کی صورت میں ہے کے لیے مانگی جاتی ہے اور یہ پول بھوکا ننگا بھی نہیں اور نہ ہی اس نے کسی کی ایسی ضمانت اٹھائی ہے کہ ادا نہ کرنے کی صورت میں کوئی اس پر کسی طرح کا جبر کر سکے بلکہ یہ خود ''زرِ کثیر'' اور ''سونے کی چڑیا'' ہے۔ نیز یہ فنڈ ایسا شخصِ معنوی اور قانونی ہے کہ مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ نہ اس کو کھانے کی ضرورت ہے نہ کپڑے کی ضرورت اور نہ ہی کسی بیماری کا خطرہ۔ اس وجہ سے اس فنڈ کے شخصِ قانونی کے لیے بھیک مانگنا حرام ہے۔ لیکن پھر بھی یہ حرام بھیک مانگی جاتی ہے اور آنے کے بعد فنڈ اور شخصِ قانونی اس حرام بھیک سے اپنے آپریٹرز یعنی تکافل کمپنی کو ماہانہ غیر معمولی تنخواہوں سے پالتا ہے اور جس موقوف علیہ کا نقصان ہوجائے اس سے لی ہوئی بھیک کے ساتھ دوسری حرام

بھیک ملا کر اس کو بھی خوش کرتا ہے۔

الحاصل! یہ بھیک حرام ہے۔ اہلِ تکافل پر واجب ہے کہ ہر وہ شخص جس سے یہ بھیک لے چکے ہیں اس کو واپس کریں۔

(۲) اس بات پر جملہ اہلِ علم اور مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ متفق ہیں کہ اگر وقف کے سارے موقوف علیہم اغنیاء اور مالدار ہوں یا سارے تو اغنیاء نہ ہوں البتہ اغنیاء اتنے کثیر ہوں کہ ان کی تعداد دو اڑھائی سو سے بڑھ جائے جس کو فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ''غیر محدود'' فرمایا ہے تو ایسی صورت میں یہ وقف درست اور نافذ نہیں۔

سب جانتے ہیں کہ تکافل کے وقف کے موقوف علیہم وہ لوگ ہیں جو تکافل پالیسی خریدیں اور تکافل پالیسیاں اغنیاء ہی خرید سکتے ہیں۔

ایک مجوز صاحب لکھتے ہیں:

''اہلیتِ استحقاق: تمام وہ لوگ جنہوں نے قواعد کے مطابق فنڈ کی ممبر شپ حاصل کی ہے وہ فنڈ سے مستفیض ہونے کے اہل ہیں''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت ص:۱۱)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

''شروع میں واقفینِ فنڈ نے وقف کو مطلق وقف نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک اس وقف سے صرف وہی لوگ فائدے اٹھائیں گے جنہوں نے اس وقف کو چندہ دے کر اس کی رکنیت حاصل کی ہو''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت ص:۱۲۳، ۱۲۴)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اس وقف فنڈ کو چندہ دے کر اس کا رکن بنے گا وہ گویا موقوف علیہ ہو جائے گا اور چندہ بھی پالیسی کے مطابق دے، اگر اس سے کم دیا یا بالکل نہ دیا تو پھر موقوف علیہم میں داخل نہ ہوگا۔

(۳) دیانات، تبرعات اور احسانات کا ضابطہ :

اگر کوئی شخص یکطرفہ یعنی اپنی طرف سے دوسرے پر کچھ احسان کرنا چاہتا ہے، تبرعاً کچھ دینا چاہتا ہے تو یہ تبرع کب معتبر ہے اور دی ہوئی چیز دوسرے کے لیے کب حلال ہے؟ اس

کے لیے حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ اور قاعدہ بیان فرمایا ہے۔فرماتے ہیں : **الامور بمقاصدھا** ......اس ضابطہ کی تفصیل یہ ہے کہ تبرعاً دینے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) دل میں بھی اعطاء اور دینا ہو اور زبان سے الفاظ بھی دینے کے ہوں۔یعنی دل اور زبان دونوں اعطاء اور دینے پر متفق ہوں۔

حکم: یہ دینا معتبر ہے اور لینے والا مالک ہو جائے گا اور اس چیز کا استعمال اس کے لیے حلال ہوگا۔

(۲) دل میں اعطاء اور دینا ہو اور زبان سے عدمِ اعطاء کے الفاظ ہوں ،یعنی دل اور زبان میں مخالفت ہو۔

حکم: اس صورت میں دل کا اعتبار ہوگا۔لہٰذا یہ اعطاء اور دینا معتبر ہے اور لینے والا مالک اور تصرف حلال ہے۔

(۳) دل میں عدم اعطاء اور نہ دینا ہے اور زبان کے الفاظ اعطاء اور دینے کے ہیں۔

حکم: دل پر فیصلہ ہوگا اور چونکہ دل میں عدم اعطاء ہے لہٰذا زبان کا یہ اعطاء اور دینا غیر معتبر ہوگا اور لینے والا نہ مالک ہوگا اور نہ ہی اس کے لیے اس دی ہوئی چیز کا استعمال حلال ہوگا۔

تکافل میں بھی چندہ کی بھیک دینے والے یکطرفہ تبرع کرتے ہیں اس تبرع اور اعطاء میں دینے والے کا دل اور زبان متحد اور متفق ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب خود بعض مجوزین کی تحریر میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ دل اور زبان متفق نہیں، زبان سے چندہ اور مفت دینے کے الفاظ ہوتے ہیں جبکہ دل میں واپس ملنے بلکہ اس سے زیادہ ملنے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے ،چنانچہ مجوزین میں سے بعض لکھتے ہیں:

''جب کوئی شخص پریمیم جمع کراتا ہے تو اس نیت سے کراتا ہے کہ بوقتِ نقصان زیادہ ملے گا اور اس زیادت کے لیے وہ کمپنی کو مجبور بھی کرسکتا ہے''۔(تکافل کی شرعی حیثیت ص:۱۷۰)

لہٰذا مندرجہ بالا ضابطہ کے پیشِ نظر یہاں دل کا اعتبار ہوگا اور یہ اعطاء اور دینا مفت نہ ہوگا بلکہ قرض ہوگا جس کے بدلہ میں زیادہ دینے کا ارادہ رکھا ہوا ہے اور ایسا قرض جس پر زیادہ ملنے کا قصد اور ارادہ ہو اس کو اصطلاح میں سودی قرض کہا جاتا ہے اور زیادتی کو سود کہتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: **کل قرض جر منفعة فھو ربا**...... یعنی ہر وہ قرض جو نفع (مشروط) کھینچ کر لائے وہ نفع سود ہے۔

الحاصل :اہلِ تکافل کے لیے ان قرضوں کو مفت میں کھانا اور استعمال کرنا اور دوسروں پر خرچ کرنا جائز نہیں، ان پر واجب ہے کہ ان سب کو یہ قرض لوٹا دیں، اگر اصل مالک زندہ نہیں تو ان کے وارثوں کو بطورِ میراث تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کا حصہ میراث دے دیں، اگر وارثوں کا علم نہیں تو ان کی طرف سے مساکین پر بدوں نیت ثواب صدقہ کریں۔

(''تکافل'' کی مزید مدلل تفصیل ہماری کتاب ''چار مسائل'' اور ''مروجہ تکافل اور شرعی وقف'' میں ہے)۔

﴿۶﴾ حرام بصورتِ حوالہ و ہنڈی ......

اس کاروبار میں صریح حرام اور سود کی بہت سی صورتیں ہیں، پھر بھی لوگ ان صورتوں کو جائز اور حلال سمجھتے ہوئے اختیار کرتے ہیں اور یہی ''ہویٰ'' کا کمال ہے۔

بطورِ نمونہ چند صورتیں :

(۱) مثلاً پانچ لاکھ پاکستانی کے حوالہ پرچی دے کر اس کے عوض میں ایک ماہ بعد پانچ لاکھ پچیس ہزار پاکستانی کی بقدر افغانی یا تومان (ایرانی کرنسی) لینا۔

متعدد وجوہ سے یہ صورت ناجائز حرام اور ربا میں داخل ہے۔

(۲) بینک چیک دے کر حوالہ کی پرچی لینا یا نقد کرنسی لینا خواہ کسی بھی ملک کی ہو ناجائز، حرام اور سود ہے۔

(۳) بینک چیک کی بنیاد پر اسی تاریخ کے چیک کے عوض کوئی کرنسی لینا یا بعد کی کسی تاریخ کے چیک کے عوض کوئی کرنسی لینا۔

یہ دونوں صورتیں ربا اور بیع الکالی بالکالی کی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے۔

(۴) ایک حوالہ والا دوسرے حوالہ والے سے کہتا ہے کہ آج کے ریٹ سے مثلاً ایک لاکھ ڈالر پاکستانی کرنسی کے عوض میرے کھاتے میں لکھ دو۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے خرید وفروخت کا معاملہ کیا حالانکہ یہ خرید وفروخت کا معاملہ نہیں دونوں میں سے کسی نے نہ کچھ دیا اور نہ کچھ لیا پھر جو کرنسی بڑھ جائے تو دوسرا جیت جاتا ہے کہ میں نے اتنے کمائے، لہٰذا یہ صورت قمار کی ہے کہ کبھی ایک جیت جاتا ہے، کبھی دوسرا۔

(۵) بعض لوگ حوالے والے سے فون پر یا وہاں جا کر کہتے ہیں کہ آج کے ریٹ سے میرے کھاتے میں اتنے تومان لکھ دو، وہ لکھ دیتے ہیں لیکن یہاں بھی لینا دینا کچھ بھی نہیں ہوتا، اس لیے یہ بھی صریح جوا ہے۔

(۶) حوالے والے کا دو مختلف ملکوں کی کرنسیوں میں بوقتِ مبادلہ بین الاقوامی ریٹ اور

قیمت سے کمی بیشی کرنا بھی سود اور حرام ہے، جبکہ آج یہ سب کچھ حلال سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

(۷) دو ملکوں کی کرنسی کا مبادلہ کیا لیکن ایک نے کرنسی دے دی اور دوسرے نے اسی مجلس میں نہ دی بلکہ بعد میں دی۔

یہ بھی سود اور ربا النَّساء ہے۔

الحاصل! اس میں......اولاً...... مدلل جنسِ واحد کو مختلف جنس بنایا گیا،......ثانیاً......بیع الکالی بالکالی کے قانون کو بھی نظر انداز کیا گیا اور......ثالثاً...... بینک چیک حوالہ پرچی اور نقد کرنسی کو ایک درجہ دیا گیا۔

ان وجوہ سے اس عنوان سے کاروبار میں سود بھی داخل ہوا، قمار اور جوا بھی آ گیا اور معاملاتِ مالیہ میں غرر اور دوسرے خلافِ شرع امور بھی آ گئے۔

(تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''چار مسائل'' اور ''کرنسی، ہنڈی وحوالہ کے کاروبار کی شرعی حیثیت'' ملاحظہ ہو)۔

﴿۷﴾ ناجائز بصورتِ سر کے بال ......

آج کل عام مردوں میں خلافِ شرع بال کاٹنے کا عام معمول ہوگیا ہے، عوام تو عوام بظاہر مقتدا اور دین دار لوگ اس گناہ کو گناہ کی فہرست سے نکال کر بے دھڑک اس کا ارتکاب کررہے ہیں، آپ ﷺ نے ''قزع'' سے منع فرمایا ہے اور قزع کا معنی یہ ہے کہ سر کے بالوں کا بعض حصہ منڈوا دیا جائے اور بعض کو چھوڑ دیا جائے۔ شروع میں چھوٹے بچوں کے ساتھ اس طرح کیے جانے کا معمول تھا اب بڑوں نے بھی یہی کام شروع کردیا ہے۔

بالوں کی جائز صورتیں :

(۱) بڑے بال رکھنا۔ جس کی تین اقسام ہیں:

(الف) کانوں کی لو تک۔

(ب) کانوں کے لو اور کندھوں کے درمیان تک۔

(ج) کندھوں تک

(۲) استرا وغیرہ سے پورے سر کے بال منڈوانا۔

(۳) قینچی یا مشین سے پورے سر کے بالوں کا برابر کٹوانا۔

ان تینوں میں سے سب سے افضل پہلی صورت ہے، پھر دوسری اور آخری صورت کی گنجائش ہے۔

''ہویٰ'' (خواہش پرستی) کا یہ کمال ہے کہ آج ان تینوں اتفاقی جائز صورتوں سے ہمیں ہٹا کر ایک ناجائز اور گناہ کی صورت کو جائز اور بہتر باور کرا کے اکثریت اسی کو بے خوف وخطر کیے جارہے ہیں۔

تنبیہ : اہلِ علم حضرات کی تشفی اور مسئلہ کی پوری حقیقت واضح ہوجانے کے لیے ایک اہم علمی تحقیق احسن الفتاویٰ کے حوالے سے سوال وجواب کے ساتھ ملاحظہ ہو:

سوال

چند احباب نے ایک انجمن بنائی ہے اس انجمن کے تحت کئی تعلیمی ادارے چل رہے ہیں مستحق طلبہ کی اعانت بھی کی جاتی ہے اس ادارے نے اچھے مسلمان پیدا کرنے کا عزم کر رکھا ہے چنانچہ اس کے زیر اہتمام چلنے والے اسکولوں اور کالجوں میں ناظرہ قرآن، دینی معلومات، ترجمہ قرآن، حدیث کی دعائیں نیز ریاض الصالحین اور عربی گرائمر وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہے جس کے لیے بڑے دینی مدرسوں سے عالم فاضل کا کورس کیے ہوئے مستند علماء دین کی خدمت حاصل کی گئی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ایسے آدمی کو ملازم نہیں رکھا جاتا جس کی وضع قطع دین کے خلاف ہو یا وہ کسی ظاہری گناہ کا عادی ہو یا نماز نہ پڑھے وغیرہ وغیرہ اس سلسلے میں انجمن سختی سے اپنے قواعد کی پابندی کراتی ہے تاکہ سارے ماحول پر دینی رنگ غالب نظر آئے۔

طلبہ کو بھی لیکچرز کے ذریعے ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ سنتوں کی پابندی کریں اور شریعت میں جو باتیں منع ہیں ان سے بچیں۔

اب انجمن کی انتظامیہ اور مدرسین میں اختلاف ہوگیا ہے، قصہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ انتظامیہ یہ کہتی ہے کہ دیگر ملازمین کی طرح مدرسین بھی اپنے وضع قطع دین کے مطابق رکھیں جس میں کہ سنت کے مطابق ڈاڑھی، سر کے بال اور لباس کی مظہر خارجی ہونے کی وجہ سے اولیت حاصل ہے، اختلافی نقطہ یہ ہے کہ بعض مدرسین (انتظامیہ کے خیال میں) انگریزی بال رکھے ہوئے ہیں اور اس پر اصرار بھی کر رہے ہیں، مشکل یہ ہے کہ یہ وہی مدرسین ہیں جو عالم فاضل ہیں اس لیے انتظامیہ کو انہیں اپنا موقف سمجھانے میں دشواری ہورہی ہے کہ یہ لوگ خود اتھارٹی ہیں۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات ایسی ہی ہوتی تو ہم سالہا سال تک دینی

مدرسوں میں پڑھتے رہے ہیں اور ہمارے بالوں کی یہی حالت تھی تو ہمارے بزرگوں نے ہمیں کیوں نہیں روکا؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اتنی ضروری بات نہیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ ہمارے بال انگریزی ہیں ہی نہیں، ہم نے قینچی کے ساتھ برابر کیے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ان امور میں اتباع ضروری نہیں، یہ عادت والی سنت ہے، اب بہت بحث ومباحثہ کے بعد طے ہوا ہے کہ آپ سے فتویٰ لیا جائے چنانچہ آپ ازراہ کرم درج ذیل باتوں کے جوابات مرحمت فرمائیں اگر آپ ہر بات کا نمبروار الگ الگ جواب دے دیں گے تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

(۱) انگریزی بالوں کی کیا تعریف ہے؟ ایسی تعریف سلیس اردو میں بتائیں جسے ہر خاص وعام سمجھ سکے اور کسی بھی آدمی کے بال دیکھ کر یا ناپ کر اندازہ ہو سکے کہ وہ انگریزی ہیں یا اسلامی؟

(۲) کیا انگریزی بال رکھنا ناجائز ہے؟

(۳) اگر ناجائز ہے تو کس قسم کا ناجائز ہے، اس لیے کہ جن مدرسین کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ کہتے ہیں ناجائز کی بھی کئی قسمیں ہیں، انگریزی بال رکھنا مکروہ ہے جو ہلکی قسم کی چیز ہے، آپ بتائیں یہ حرام ہے یا مکروہ؟ کیا مکروہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے؟

(۴) اگر مکروہ بھی ہے تو اوپر بیان کردہ صورت حال کے پیش نظر کیا مدرسین کے لیے اس میں شدت نہیں ہو جاتی خصوصیت کے ساتھ جب کہ وہ عالم فاضل ہوں کہ یہی لوگ طلبہ اور دیگر ملازمین کے لیے نمونہ ہیں۔

(۵) یہ مدرسین یہ بھی کہتے ہیں کہ سر کے بال منڈوانا مثلہ ہے۔

کیا سر کے بال منڈوانے کو مثلہ کہنا جائز ہے؟

(۶) یہ مدرسین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو آدمی سر کے بال منڈوالے وہ سخت احساسِ کمتری کا شکار ہوتا ہے ہم پر خود یہ حالت گزری ہے اس لیے طلبہ کو بال منڈوانے کی ترغیب نہ دی جائے کہ اس طرح وہ احساسِ کمتری کا شکار ہوں گے۔

(۷) کیا بال منڈوانے سے احساس کمتری کا شکار ہونا کوئی معقول بات ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے بالوں کی جائز وناجائز تمام صورتیں لکھی جاتی ہیں اس کے بعد سوالات کے جوابات، بال رکھنے کی جائز صورتیں تین ہیں :

(۱) پٹے رکھنا، اس کی تین قسمیں ہیں :

(۱) کانوں کی لو تک، اس کو عربی میں وفرہ کہتے ہیں۔

(۲) کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک، اس کو لمّہ کہتے ہیں۔

(۳) کندھوں تک، اس کو جمہ کہتے ہیں۔

(۴) پورے سر کے بالوں کو برابر کاٹنا۔

ان میں سب سے افضل پہلی صورت ہے، پھر دوسری صورت کا درجہ ہے اور آخری صورت کی صرف گنجائش ہے۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ پٹے رکھنا مسنون ہے البتہ حلق کی سنیت میں اختلاف ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دائمی عمل کی وجہ سے مسنون کہا ہے، اسی طرح امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی سنیت نقل کی ہے۔

حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اباحت پر محمول کیا ہے

بہر حال اس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں اور بچوں کی تربیت کی خاطر ان کے سر منڈوانا افضل بلکہ غلبۂ فساد کی وجہ سے ضروری ہے۔

اخرج الامام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال من ترک موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل كذا وكذا من النار ،قال علي رضی اللہ عنہ فمن ثم عاديت رأسي فمن ثم عاديت رأسي فمن ثم عاديت رأسي وكان يجز شعره رضی اللہ عنہ.

قال العلامة السهارنفوری رحمه الله تعالى : وبهذا الحديث

استدل الطيبي على سنية حلق الرأس لتقريره ﷺ ولانه من الخلفاء الراشدين الذين امرنا بمتابعة سنتهم ورد عليه القارى وابن حجر فقالا ان فعله ؓ اذا كان مخالفا لسنة عليه الصلوة والسلام وبقية الخلفاء يكون رخصة لا سنة.(بذل المجهود ۱/۱۵۲)

وعن عبد الله بن جعفر رضى الله تعالىٰ عنهما ان النبى ﷺ امهل اٰل جعفر ثلثا ان يأتيهم ثم اتاهم فقال لا تبكوا على اخى بعد اليوم ثم قال ادعوالى بنى اخى فجيء بنا كأنا افرخ فقال ادعوالى الحلاق فامره فحلق رؤسا.

قال الشيخ السهارنفورى رحمه الله تعالىٰ : وفيه ان الكبير من اقارب الاطفال يتولى امرهم وينظر فى مصالحهم من حلق الرأس وغيره.(بذل المجهود ۶/۷۷)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : وفى الروضة للزندويستى ان السنة فى شعر الرأس اما الفرق اوالحلق وذكر الطحاوى رحمه الله تعالىٰ ان الحلق سنة ونسب ذلك الى العلماء الثلاثة.(رد المحتار ۶/۴۰۷)

وكذا فى الهندية عن التتارخانية وزاد : يستحب حلق الرأس فى كل جمعة كذا فى الغرائب.(الهندية ۵/۳۵۷)

بالوں کی ناجائز صورتیں :

قزع یعنی سر کے بعض حصہ کے بال منڈانا اور بعض کے چھوڑنا یا بعض زیادہ تراشنا اور بعض کم۔

حدیث میں ایسے بال رکھنے سے صراحۃً ممانعت آئی ہے۔کماسنذکر۔

ایسے بال رکھنا جو کفار وفساق کا شعار ہو۔

یہ تشبہ بالکفار والفساق کی وجہ سے ممنوع ہے البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ ہر زمانہ میں اس وقت کے کفار وفساق کے شعار کا اعتبار ہوگا۔

اخرج الامام ابو داود رحمه الله تعالىٰ عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال نهى رسول الله ﷺ عن القزع والقزع ان يحلق رأس الصبى فيترك بعض شعره.

وعنهما رضى الله تعالىٰ عنهما ان النبى ﷺ نهى عن القزع وهوان يحلق رأس الصبى ويترك له ذؤابة.

قلت وليس هذا مختصا بالصبى بل اذا فعله كبير يكره له ذلك فذكر الصبى باعتبار العادة الغالبة.

وعنهما رضى الله تعالىٰ ان النبى ﷺ رأى صبيا قد حلق بعض رأسه وترك بعضه فنهاهم عن ذلك فقال احلقوه كله او اتركوه كله.

قال النووى رحمه الله تعالىٰ : مذهبنا كراهة مطلقا للرجل والمرأة لاطلاق الحديث وهى كراهة تنزيه وكذلك كرهه مالك والحنفية رحمهم الله تعالىٰ.

وعن انس بن مالك ؓ قال كانت لى ذوابة فقالت لى امى لا اجزها كان رسول الله ﷺ يمدها ويأخذبها.

وقيل ان ذؤابة انما يجوز اتخاذها لغلام اذا كانت مع غيرها من الشعور التى فى الرأس واما اذا حلق شعره كله وترك له ذؤابة فهو القزع الذى نهى عنه رسول الله ﷺ.

وعن الحجاج بن حسان قال دخلنا على انس بن مالك ؓ فحدثتنى اختى المغيرة قالت وانت يومئذ غلام ولك قرنان او قصتان فمسح رأسك وبرك عليك وقال احلقواهذين او قصوهما فان هذا ذى اليهود.

وهذا يدل على ان الرواية المتقدمة عن انس رضى الله تعالىٰ عنه قال كانت لى ذؤابة لا يدل على جواز ذؤابة مطلقا بل الظاهر ان المنهى عنه غير المرخص فيه فالرخصة انما هى اذا كان جميع شعر

الرأس موجودة وكانت الذؤابة طويلة من سائر الشعور واما اذا كان البعض محلوقا والذؤابة باقية فلا رخصة فيه.

(بذل المجهود ۶/۷۸)

وقال الحافظ العسقلانى رحمه الله تعاولىٰ : قال النووى رحمه الله تعالىٰ : الا صح ان القزع ما فسربه نافع رحمه الله تعالىٰ وهو حلق بعض رأس الصبى مطلقا ومنهم من قال هو حلق مواضع متفرقة منه والصحيح الاول لانه تفسير الراوى وهو غير مخالف للظاهر فوجب العمل به، وقلت الا ان تخصيصه بالصبى ليس قيدا، قال النووى رحمه الله تعالىٰ اجمعوا على كراهته اذا كان فى مواضع متفرقة الا للمداواة او نحوها وهى كراهة تنزيه ولا فرق بين الرجل والمراۃ وكرهه مالک فى الجارية والغلام وقيل فى رواية لهم لا بأس به فى القصة والقفا للغلام والجارية قال ومذهبنا كراهته مطلقا قلت حجته ظاهرة لانه تفسير الراوى واختلف فى علة النهى فقيل لكونه يشوه الخلقة وقيل لانه زى الشيطان وقيل لانه زى اليهود وقد جاء هذا فى رواية لابى داود (وبعد السطر) ويمكن الجمع بأن الذؤابة الجائز اتخاذها ما يفرد من الشعر فيرسل ويجمع ما عداها بالضفر وغيره والتى تمنع أن يحلق الرأس كله ويترک ما فى وسطه ويتخذ ذؤابة وقد صرح الخطابى بأن هذا مما يدخل فى معنى القزع والله أعلم.(فتح البارى ۱۰/۳۰۸)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : وفى الذخيرة : ولا بأس بأن يحلق وسط رأسه ويرسل شعره من غير أن يفتله وإن فتله فذلک مكروه لأنه يصير مشبها ببعض الكفرة والمجوس وفى ديارنا يرسلون الشعر من غير فتل ولكن لا يحلقون وسط الرأس بل يجزون الناصية تتارخانية قال ط : ويكره القزع وهو أن يحلق البعض ويترک البعض قطعا مقدار ثلاثة أصابع كذا فى الغرائب.

(رد المحتار ۲/۴۰۷)

وكذا فى الهندية وزاد : وعن ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ يكره ان يحلق قفاه الا عند الحجامة كذا فى الينابيع.

(عالمگيرية ۵/۳۵۷)

ذخیرہ میں مذکورہ صورت جواز علت نہیں کو تشبہ بالکفار میں منحصر سمجھنے کے خیال پر مبنی ہے یہ خیال دو وجوہ سے صحیح نہیں۔

(۱) خلق اللہ کی تغییر و تشویہ بہر صورت پائی جاتی ہے جو نہی کے لیے کافی ہے، یہ علت نہی بندہ کے خیال میں تھی بعد میں اس کی تصریح فتح الباری میں بھی مل گئی۔ وقد مر نصه فالحمدلله على موافقة الاكابر

(۲) قزع کے لغوی معنی سبھی صورتوں کو شامل ہیں۔

قال الحافظ رحمه الله تعالىٰ : القزع بفتح القاف والزاء ثم المهملة جمع قزعة وهى القطعة من السحاب وسمى شعر الرأس اذا حلق بعضه وترک بعضه تشبيها بالسحاب المتفرق .

(فتح البارى ۱ /۳۰۶)

وجوہ مذکورہ کی بناء پر امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اطلاق ہی کو صحیح اور واجب العمل قرار دیا ہے۔ ومر نصهما عن الفتح.

بذل المجهود کی وجه التوفيق میں مذکورہ صورت جواز بھی اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں علت نہیں تغییر خلق اللہ موجود ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قزع میں کراہت تنزیہ کا قول فرمایا ہے اس بارے میں تین امور :

(۱) ظاہر حدیث اور تعلیل ''تغییر خلق اللہ'' سے کراہت تحریم ثابت ہوتی ہے۔

(۲) کراہت تنزیہ پر دوام سے کراہت تحریم ہو جاتی ہے۔

(۳) یہ قول اس صورت میں ہے کہ تشبہ بالکفار نہ ہو، جب تغییر الخلق کے ساتھ تشبہ بالکفار بھی مل جائے تو کراہت تحریم ہونا ظاہر ہے۔

سوالات کے بالترتیب جوابات :

(۱،۲) فیشن میں روز بروز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں مگر انگریزی دور کے آغاز سے اب تک یہ امر اس فیشن کا جزء لازم اور قدر مشترک کے طور پر رہا ہے کہ بال کہیں سے چھوٹے کہیں سے بڑے ہوتے ہیں گویا یہ فیشن پورا ہی جب ہوتا ہے کہ بالوں میں یکسانیت نہ ہو، یکسانیت کا فقدان جیسے کاٹنے سے ہوتا ہے، ایسے ہی منڈانے سے بھی ہوتا ہے، جیسے کانوں کے قریب استرا لگانے کا معمول ہے۔

یہ صورت جس میں پورے سر کے بال برابر نہ ہوں، حضورِ اکرم ﷺ کے ارشادات اور محدثین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی نصوص سے واضح طور پر ممنوع ہے، خواہ یہ کسی کافر و فاسق قوم یا گروہ کا شعار ہو یا نہ ہو، اگر فساق و فجار کا شعار بھی ہو تو اس کا گناہ اور بھی سخت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار.** [ھود:۱۱۳]

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من تشبه بقوم فهو منهم**

اور فرمایا: **لا تتشبهوا باليهود والنصارىٰ**

اور فرمایا: **خالفوا اليهود و النصارى .**

(۳) جب ایک چیز کا گناہ ہونا ثابت ہوگیا تو پھر یہ کہنا کہ ''یہ کم درجے کا ناجائز ہے اور یہ بڑے درجے کا'' سخت خطرناک گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی بجائے اس کو ہلکا سمجھنا اور گناہ کو جائز کرنے کے حیلے بہانے ڈھونڈنا عام مسلمانوں کے شایانِ شان بھی نہیں ہوسکتا، اگر خدانخواستہ یہ حالت عالم کہلانے والوں کی ہوگئی ہے تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے۔

؎ چون کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مکروہ تحریمی اور حرام میں صرف عقیدہ کے اعتبار سے فرق ہے، عملاً دونوں مساوی ہیں، دونوں گناہِ کبیرہ ہیں اور دونوں میں عذاب برابر ہے۔

(۴) علماء جو پوری امت کے لیے رہنما اور مقتداء ہیں، ان کی ذرا سی نامناسب بات بھی بہت ہی معیوب ہے اور تھوڑی سی کوتاہی، لاکھوں کروڑوں انسانوں کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے، چہ جائیکہ مکروہ تحریمی کو ہلکا سمجھا جانے لگے، اس میں کفر کا خطرہ ہے۔

(۵) سر کے بال منڈوانا جائز ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنتِ دائمی اور حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين .

لہٰذا اسے ''مثلہ'' کہنا بہت خطرناک گمراہی ہے۔

(۶) احساس کمتری تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ جب تربیت کرنے والوں کا حال یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صلحاء کی شکل و ہیئت کی بجائے فساق و فجار کی شکل و ہیئت سے پیار ہو تو ان سے تربیت پانے والے بھی اسی کے دلدادہ ہوں گے، ان کی صحیح تربیت کر کے صلحاء کی ہیئت پر فخر کرنے کا جذبہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم۔ (احسن الفتاویٰ ۸/ ۷۹......۸۶)

﴿۸﴾ بے پردگی اور بدنظری کا گناہ

یہ گناہ بھی ''ہوٰی'' کے کرشمے سے خوب عام ہے اور خواص تک اس میں مبتلا ہیں۔ آج چراغ لے کر ڈھونڈنا شروع کیا جائے تو ہزار میں شاید ایک گھر بھی ایسا نہ ملے جن کی ساری خواتین مکمل شرعی پردہ کرتی ہوں۔ ہر گھر میں قریبی نامحرم رشتہ داروں سے پردہ نہیں اور جہاں دو دوستوں میں کچھ دوستی بڑھ گئی تو اس کا ایک اثر یہ بھی سنا دیکھا ہے کہ کہتے ہیں ہماری اتنی زیادہ اور پکی دوستی ہے کہ آپس میں پردہ بھی نہیں، اور اس بے پردگی کو گناہ تک نہیں سمجھتے، نہ عورتوں کو خود اس گناہ کا احساس ہے نہ ان کے شوہروں کو اور نہ کسی کے باپ، بھائی اور بیٹے کو۔ جبکہ شرعی پردہ یعنی تمام نامحرموں سے پردہ کرنے کا حکم قرآن و حدیث میں منصوص ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ﴾ الخ [النور: ۳۱]

اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں (زینت سے مراد زیور جیسے کنگن، چوڑی، خلخال، بازو بند، طوق، جھومر، پٹی بالیاں وغیرہ اور ان کے مواقع سے مراد ہاتھ، پنڈلی، بازو، گردن، سر، سینہ، کان یعنی ان سب مواقع کو سب سے چھپائے رکھیں بلحاظ ان دو استثناؤں کے جو آگے آتے ہیں.......... حاصل یہ ہوا کہ سر سے پاؤں تک تمام بدن اپنا پوشیدہ رکھیں)۔ (بیان القرآن ۲/۳/۵۷۳، ط: رحمانیہ)

اس آیت میں جن تیرہ افراد سے عورت کو پردہ نہیں ان کو ذکر کرکے باقی سب نامحرموں یعنی جن سے عورت کا کسی بھی صورت میں نکاح جائز ہوسکتا ہے، سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَّعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَ نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَّائِلَاتٌ رُؤُسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَ اِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا. رواه مسلم. (مشكوة، ص: ۳۰۶، ط: قديمی)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جہنمیوں کی ایسی دو قسمیں ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا (کیونکہ اس وقت پیدا نہیں ہوئی تھیں):

(پہلی قسم) وہ ہے جن کے ساتھ بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے ہوں گے اور ان سے لوگوں کو ماریں گے۔

(دوسری قسم) وہ عورتیں جو لباس پہنے ہوں گی پھر بھی ننگی ہوں گی، (اجنبی مردوں کو) اپنی طرف مائل کریں گی اور خود بھی (ان پر) مائل ہوں گی، انکے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح جھکے ہوں گے (یعنی ان کے سروں پر بال بختی اونٹ کے کوہان کی طرح اٹھے ہوئے اور ایک طرف مائل اور جھکے ہوں گے) یہ عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو تقریباً پانچ سو سال کی مسافت پر محسوس ہوگی۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِیْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰی عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيْقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَكَسَتْهَا خِمَارًا كَثِيْفًا. رواه مالك. (مشكوة، ص: ۳۷۷، ط: قديمی)

حضرت علقمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ کی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس حالت میں آئیں کہ انہوں نے باریک اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ باریک اوڑھنی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالی اور ان کو ایک موٹی اوڑھنی اوڑھا دی۔

عن دِحْيَةَ بْنِ خَلِيْفَةَ ؓ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِقُبَاطِیَّ فَاَعْطَانِیْ مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اِصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ اَحَدَهُمَا قَمِيْصًا وَاَعْطِ الْآخَرَ امْرَاَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهٖ فَلَمَّا اَدْبَرَ قَالَ وَ اْمُرْ امْرَاَتَكَ اَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهٗ ثَوْبًا لَّا يَصِفُهَا. رواه ابو داؤد. (مشكوة، ص: ۳۷۶، ط: قديمی)

حضرت دحیہ ؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے پاس قبطی کپڑے آئے تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک قبطی کپڑا مجھے عطا فرمایا اور فرمایا اس کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کر لینا

ان میں سے ایک کا کرتہ بنا لینا اور دوسرا اپنی بیوی کو دے دینا وہ اس کا دوپٹہ بنا لے، پھر جب میں (یعنی دحیہ) واپس ہونے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی بیوی کو ہدایت کر دینا کہ اس قطبی کپڑے کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تا کہ اس کپڑے کی باریکی کی وجہ سے اس کے بال اور جسم نظر نہ آئے''۔

شبہہ: بعض کہتے ہیں کہ پردے اور نظر کی حفاظت کا حکم اس وقت ہے جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو اور ہمارے ہاں چونکہ یہ سبب، علت یعنی خوف فتنہ نہیں ہے اس لیے ہم پردہ اور نظر کی حفاظت ضروری اور لازمی نہیں۔

اس کے دو جواب ہیں:

جواب نمبر ۱:

مشاہدہ نے ان لوگوں کے اس بہانے کو رد کر کے بتا دیا ہے کہ جس نے یہ کہا کہ ہمارے ہاں خوف نہیں، وہاں فتنہ پیدا ہوا ہے، کیا دیور، بھائی، چچا زاد، چچا زادی، بھانجا، مامی وغیرہ کے فتنے کسی سے مخفی اور پوشیدہ ہیں؟

اس سلسلے میں چند واقعات ملاحظہ ہوں:

واقعہ نمبر ۱:

ایک پروفیسر کہا کرتا تھا کہ شاگردوں سے پردہ ضروری نہیں ہونا چاہیے، سمجھانے کے باوجود ماننے کو تیار نہ ہوا اور شاگردوں کو گھر آنے کی کھلی اجازت دے رکھی تھی، ایک شاگرد کے ساتھ پروفیسر صاحب کی بیوی کو محبت اور عشق کا تعلق ہوا جس کے نتیجہ میں وہ ایک دن اس کے ساتھ بھاگ گئی اور پروفیسر صاحب کو خیر آباد کہہ کر چھوڑ دیا اس ماجرا کو دیکھ کر پروفیسر صاحب کی عقل ٹھکانے آئی اور کہنے لگے کہ اب سمجھ میں آ گیا کہ شاگردوں سے بھی پردہ لازم ہے۔

واقعہ نمبر ۲:

ایک سرکاری ادارے کے ملازم کو سرکاری مکان مل چکا تھا، وہ بیوی بچوں سمیت اس میں

رہتا تھا، اس کا ایک قریبی رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بھی اس کے ساتھ رہنے لگا، شرعی پردہ نہ تھا بلکہ معیوب سمجھا جاتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ شرعی پردہ جس مرض کے لیے آہنی دیوار ہے، نہ ہونے کی وجہ سے وہ مرض آ گیا، اور ملازم کی بیوی اور اس کے رشتہ دار میں وہ مرض اپنی جڑوں کو مضبوط کرتا چلا گیا، اثرات ظاہر ہونے لگے، کئی بار رنگے ہاتھوں دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا، لیکن غیرت مر چکی تھی، شوہر صاحب منہ پھیر لیتا، گویا کہ دیکھا ہی نہیں، لیکن عاشق و معشوق کو یہ بھی گوارہ نہ تھا، نوبت بایں جا رسید کہ دونوں نے اس مرے ہوئے سانپ کو کچلنے کی ٹھان لی، اور ایک وقت آیا کہ دونوں نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا، اس کا سر کچلا، گلا دبایا اور گھنٹوں اس پر تشدد کر کے مار ہی دیا، گھر میں زمین دوز ٹینک کا منصوبہ تھا، کھدائی بھی کچھ ہوئی تھی، اس کے درمیان گڑھا کھود کر اس میں دفن کر دیا، اس کی جیب سے سرکاری کارڈ اور شناختی کارڈ نکال کر ساحل سمندر پھینک آئے، چند دن ڈیوٹی نہ جانے کی وجہ سے تفتیش شروع ہوئی، گھر سے بتایا گیا، چند دن قبل اس کا کوئی دوست گھر پر آیا تھا، اس کے ساتھ ساحلِ سمندر پر گیا تھا، ادارے کے لوگ وہاں گئے، وہاں پر شناختی کارڈ اور دوسرا کارڈ دونوں ملے، بہر حال ایک عرصہ تک کچھ پتہ نہ چلا، ایک دن پولیس گئی، پوچھا شوہر ملا یا نہیں؟ کہنے لگی ''گمے کب ملے ہیں؟'' اس جملہ نے لے ڈبویا، پولیس افسر نے کہا: جو کچھ ہے اسی عورت میں ہے، گرفتار کر کے لے گئے، ڈرایا دھمکایا، آخر وہ سچ بولنے پر راضی ہوئی، اور دفن کی جگہ بتا کر پورا قصہ بتا دیا، اپنا منصوبہ، قتل بتاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ منصوبہ صرف اس کے قتل کا نہ تھا بلکہ ان چھوٹے معصوم بچوں کے قتل کا بھی تھا، لیکن اس کی جان بہت دیر سے نکلی، اس سے فارغ ہونے کے بعد وقت کم رہ گیا، اس وجہ سے بچے بچ گئے اس کا وہ رشتے دار جس کی محبت میں یہ سارا کام ہوا تھا، اس قتل کے بعد پنجاب بھاگ گیا تھا، عورت کے بتانے پر کہ وہ بھی شریک ہے، پولیس نے اس کو بھی گرفتار کر لیا اور دونوں کو جیل میں ڈال دیا۔

واقعہ نمبر ۳:

سلیمہ اپنے شوہر صفدر اور بچوں کے ساتھ ایک خوشحال زندگی بسر کر رہی تھی، انہی دنوں اس

کے والد کا انتقال ہوگیا تو سلیمہ کو اپنی بہن نعیمہ جو کہ پانچ سالہ تھی اس کی فکر ہوئی اور اسے اپنے گھر لے آئی اس کی پرورش کرنے لگی، وقت گزرتا گیا، نعیمہ کالج جانے لگی تو محلے کی ایک دیندار خاتون جو نعیمہ کو قرآن کریم پڑھایا کرتی تھیں انھوں نے سلیمہ کو سمجھایا کہ نعیمہ اب بڑی ہوگئی ہے اسے اپنے بہنوئی سے پردہ کرنا چاہیے اور اسے سمجھایا کہ بیٹی! خدا نے انسانوں کے درمیان محرم نامحرم کی تفریق بلاوجہ نہیں رکھی، اس میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ مصلحتیں چھپی ہوئی ہیں، نامحرم سے تعلق نہ رکھنے میں جو پردہ داری ہے وہ رشتوں، خاندانوں اور گھرانوں کی پردہ دری سے بچا کر رکھتی ہے، لیکن سلیمہ سالی اور بہنوئی کے رشتے کو بہن بھائی کی طرح بے ضرر سمجھتی تھی، پھر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا، سالی اور بہنوئی میں محبت کا سلسلہ چل پڑا اور نتیجہ یہ نکلا کہ بیوی کو طلاق دے کر سالی سے شادی کر لی، سلیمہ جو اپنی بہن پر رحم کر کے اپنے گھر لائی اور اس کی پرورش کی اسی نے آج اسے اپنے ہی گھر میں اجنبی کر دیا، سلیمہ اپنے والد کے گھر میں رہنے لگی، نعیمہ اور صفدر اپنے گھر میں رہنے لگے سلیمہ کے بچے جو صفدر کے پاس تھے، انہوں نے نعیمہ کو اپنی ماں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسے تنگ کرنے لگے، آخر نعیمہ نے صفدر سے صاف کہہ دیا کہ میں نے تم سے شادی کی ہے نہ کہ تمہارے بچوں سے، اچھا تھا کہ میں اپنے کلاس فیلو سجاد سے شادی کر لیتی، صفدر یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گیا اور اب اسے احساس ہوا کہ اس سے کتنی بڑی غلطی ہوئی، صفدر نے نعیمہ کو بھی طلاق دے دی۔

واقعہ نمبر۴:

ایک شخص نے پردہ شرعی کے حکم کا خیال نہ رکھا، اپنے بھتیجے کو گھر آنے کی اجازت دی اور بیوی کو اس کے سامنے بے پردہ رہنے کا حکم دیا، عذاب سے وہ بھی نہ بچا، کسی کام سے گاؤں گیا، بھتیجے کو بیوی کے پاس چھوڑ گیا، دونوں میں آتش عشق پہلے سے ہی لگی تھی، اس کے بھڑکنے کا وقت آ گیا، خوب تنہائی ملی، عشق کے جملہ تقاضوں کو پورا کیا گیا اور آئندہ کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ رہے، اس پر دونوں سوچنے لگے تو بڑی رکاوٹ شوہر صاحب نظر آئے یہ کس

طرح ختم ہو؟ شیطان نے موقع سے فائدہ اٹھایا، تدبیر سجھائی کہ جب تک یہ زندہ ہے تمھارا مطلب پورا نہیں ہوگا، بدنصیبی کے دن تھے، رحمتِ الٰہیہ سے دوری تھی، دونوں نے یہ طے کیا کہ آنے کے بعد اسے قتل کرنا ہے تاکہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری'' شوہر صاحب گاؤں سے واپس آئے، سفر کی تھکاوٹ تھی، جسم مسلسل کئی گھنٹوں کے سفر سے چور چور تھا، جیسے ہی وہ سو گیا اس بے رحم بھتیجے اور بیوی نے اس کے سر پر بہت بڑا پتھر دے مارا، جس سے اس کا سر کچل گیا اور ہچکیاں لیتے لیتے مر گیا۔

جواب نمبر۲:

خوف ''فتنہ'' کی تفصیل:

اور دوسری بات یہ ہے کہ خوف فتنہ ہے یا نہیں؟ اس کے پرکھنے کا معیار اور ترازو کیا ہے ، اگر کوئی ماہرینِ شریعت سے پوچھ کر معلوم کرے گا تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اس معیار کے مطابق ہمارے ہاں فتنہ کا خوف ہے یا نہیں؟ وہ معیار جو ان ماہرینِ شریعت نے بتایا ہے وہ قصد اور عدمِ قصد ہے کہ جہاں بدوں ارادہ چہرے سے نقاب ہٹ گیا اور نا محرم سے دیکھ لیا یا کسی کے اچانک نامحرم پر بدوں قصد نظر پڑ گئی تو یہاں خوفِ فتنہ نہیں اور جہاں یہ کام قصداً ہو رہے ہیں وہاں فتنہ ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ آیت ''**قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم الخ**......'' کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے، اسی سے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے، قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لیے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں، اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس طرف نظر نہ کرے کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس

میں وہ معذور نہیں سمجھا جا سکتا، اگر آدمی نگاہ نیچے رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار وارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا ''تزکیہ'' ہوسکتا ہے، چونکہ پہلی مرتبہ دفعۃً جو بے ساختہ نظر پڑتی ہے از راہِ شہوت ونفسانیت نہیں ہوتی اس لیے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے شاید یہاں بھی ''من ابصارھم'' میں ''من'' کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی:۲/۶۷۸، ط:دارالاشاعت)

قرآنِ کریم میں مردوں عورتوں دونوں کو نگاہیں جھکانے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ.........الآية .[النور: ۳۰]

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں..........

اور آگے خواتین کے لیے بھی یہی حکم ہے:

وقل للمؤمنت يغضضن من ابصارهن......الآية .[النور: ۳۱]

اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

ان آیتوں میں صراحۃً مرد وزن کو نگاہ جھکانے اور نامحرموں کو نہ دیکھنے کا حکم دیا ہے نیز تفسیر عثمانی میں بدنظری کو زنا کی پہلی سیڑھی بتائی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے، اسی سے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے، قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لیے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا یعنی مسلمان مرد اور عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔

(تفسیر عثمانی ۲/۶۷۸، ط: دارالاشاعت)

درج ذیل احادیث میں بھی بدنظری کی مذمت اور اس پر وعیدیں مذکور ہیں:

حدیث نمبر۱ :

وعن الحسن مرسلا قال : بلغني أن رسول ﷺ قال : لعن الله الناظر والمنظور إليه . رواه البيهقي في شعب الإيمان.

(مشكوة ص: ۲۷۰، ط:قديمى)

ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں بدنظری کرنے والے پر اور جو بدنظری کی دعوت دے یعنی بے پردہ پھرے۔

حدیث نمبر۲:

قال رسول الله ﷺ ....زنا العين النظر.

(صحيح البخاري ۲/۹۲۳، ط:قديمى)

ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بدنظری آنکھوں کا زنا ہے۔

حدیث نمبر۳:

عن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه قال: العينان تزنيان.

(مسند احمد، رقم الحديث : ۳۹۱۲، ط:مؤسسة الرسالة)

ترجمہ : حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (انسان کی) دونوں آنکھیں (بھی) زنا کرتی ہیں۔

حدیث نمبر۴:

وعن أم سلمة: أنها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة إذ أقبل ابن مكتوم فدخل عليه فقال رسول الله ﷺ: احتجبا منه فقلت يا رسول الله أليس هو أعمى لا يبصرنا؟ فقال رسول الله ﷺ: أفعمياوان أنتما؟ ألستما تبصرانه؟ رواه أحمد والترمذي وأبو داود.

(مشكوة المصابيح : ۲۶۹، ط:قديمى)

حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) وہ اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ کے پاس موجود تھیں کہ اچانک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (جو ایک نابینا صحابی تھے) آگئے، آنحضرت ﷺ نے (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر) ان دونوں ازواج مطہرات سے فرمایا کہ ان سے چھپ جاؤ، ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر) میں نے عرض کیا کہ کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (یعنی اگر

وہ اندھے ہیں تو تم تو اندھی نہیں ہو)۔احمد، ترمذی، ابوداؤد۔

"ہویٰ" کے بہانے:

(۱) بعض نے کہا کہ گھر میں دیور وغیرہ سے چہرے کا پردہ نہیں......اس پر ان کے ایک شاگرد نے کہا کہ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ پانی اور آئینہ میں اجنبی اور نامحرم عورت اور مرد کا ایک دوسرے کے عکس کو دیکھنا بھی جائز نہیں تو فوراً انتہائی بے باکی سے کہا: "یہ فقہاء کی شدت ہے"............"ہویٰ" نے لفظ "شدت" تھما کر اس گناہ کو جائز بھی قرار دیا اور نفوسِ برگزیدہ پر الزام بھی لگوا دیا۔

(۲) بعض مالی تنگی کو بنیاد بنا کر کہتے ہیں کہ الگ چار دیواری ہمارے لیے ممکن نہیں لہٰذا ہمیں بے پردگی پر گناہ نہ ہوگا......جبکہ شرعی پردے کے لیے چار دیواری لازم نہیں، وہ چادر اور گھونگھٹ سے بھی ہوسکتا ہے، جب نامحرم گھر آئے تو کھنکھارے اور عورت چہرے پر دوپٹہ سرکائے۔

﴿۹﴾ بہنوں کو میراث نہ دینا..........

آج کثیر تعداد میں ایسے لوگ بتائے جاسکتے ہیں جو بظاہر مقتدا اور دیندار بنے بیٹھے ہیں، دھڑا دھڑ علومِ دینیہ کی اشاعت اور تدریس میں لگے ہوئے ہیں، تبلیغی اسفار ہو رہے ہیں، خانقاہیں سجائی ہوئی ہیں، لیکن بہنوں کا میراث میں حصہ دبائے ہوئے ہیں، زمین و جائیداد پر قبضہ کیے ہوئے ہیں اور "ہویٰ" کا کمال دیکھیے کہ اس غصب اور ظلم وصلہ رحمی کا خون کرنا جیسے کبیرہ گناہ کو گناہ کی فہرست سے نکال کر اطمینان سے وقت گزار رہے ہیں، نہ حق دینے کا غم اور نہ توبہ استغفار کی فکر......یہ ہے "ہویٰ" کا کمال۔

"ہویٰ" کے بہانے:

(۱) بعض اس پر مطمئن ہیں کہ بہنوں نے ہمیں جائیداد وغیرہ ساری میراث کو ہبہ کر دیا ہے، لہٰذا اب ہم مالک ہیں، جبکہ تقسیم سے قبل اور اپنے حصہ پر قبضہ کرنے سے قبل صرف زبان سے ہبہ شرعاً درست اور نافذ نہیں ہوتا......کما ھو مصرح فی کتب الفقہ۔

(۲) بعض چالاک قسم کے لوگ بعض چیزوں پر عارضی قبضہ دے کر اسی وقت واپسی اور ہبہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور بیچاری بہن شرما شرمی میں ہبہ ہبہ کہہ کر واپس دے دیتی ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ قبضہ کے بعد دینے کی وجہ سے اب میں مالک ہوگیا اور اب حلال کھا رہا ہوں ......جبکہ تبرعات میں ملکیت اور حلت کے لیے بقاعدہ "**الامور بمقاصدھا**" طیبِ نفس اور دل کی خوشی ضروری ہے......رسم و رواج اور ماحول اور خاندان کے ڈر اور شرما شرمی سے دینے کی صورت میں نہ ملکیت آتی ہے نہ وہ چیز حلال ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کئی سال بہن کے قبضہ میں چھوڑے، پھر وہ خوشی سے دے تو ٹھیک ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ ہم نے تو بہن کا حصہ خرید لیا ہے اور عید وغیرہ خوشی کے موقع پر جو دیتے ہیں وہ ان کے حصہ کی قیمت میں محسوب ہوتا ہے......جبکہ شرعی خریداری کے لیے شرائط ہیں کہ ثمن اور قیمت معلوم ہو، رقم کی ادائیگی کی مدت معلوم ہو، فریقین اس معاملہ

پر راضی ہوں......اس لیے صرف نام کی خریداری سے یہ وہ خریداری نہیں جس کے نتیجے میں خریدنے والا مالک بن جائے اور وہ خریدی ہوئی چیز اس کے لیے حلال ہو جائے۔

الحاصل! یہ سب بہانے ’’ہویٰ‘‘ نے حرام خوری کے بنائے ہیں ان سے یہ میراث نہ حلال ہوئی نہ ہوتی ہے۔

دوسرے کے حق اور زمین وغیرہ غصب کرنے اور دبانے پر کتنی شدید وعیدیں ہیں؟ ذیل میں ملاحظہ ہوں:

حدیث نمبر۱ :عَن سَعِيدِ بنِ زَيدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :مَن اَخَذَ شِبرًا مِّنَ الْاَرضِ ظُلمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَومَ القِيَامَةِ مِن سَبعِ اَرَضِينَ. متفق عليه.(مشكوة ص:۲۵۴،ط:قديمی)

ترجمہ : حضرت سعید بن زید ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص (کسی کی) بالشت بھر زمین بھی از راہِ ظلم لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین اس کے گلے میں بطور طوق ڈالی جائے گی۔ بخاری، مسلم۔

(مظاہر حق ۳/۱۴۷، ط: دارالاشاعت)

حدیث نمبر۲ :وَعَن اَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِي عَن عَمِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : اَلَا لَا تَظلِمُوا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امرِئٍ اِلَّا بِطِيبِ نَفسٍ مِّنهُ، رواه البيهقي في شعب الايمان والدارقطني في المجتبى.

(مشكوة ص:۲۵۵،ط:قديمی)

ترجمہ : حضرت ابوحرہ رقاشی رحمہ اللہ تعالیٰ (تابعی) اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا، جان لو! کسی بھی دوسرے شخص کا مال (لینا یا استعمال کرنا) اس کی مرضی وخوشی کے بغیر حلال نہیں۔ بیہقی، دارقطنی۔

(مظاہر حق ۳/۱۵۲، ط: دارالاشاعت)

حدیث نمبر۳ :عَن سَالِمٍ عَن اَبِيهِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :مَن اَخَذَ مِنَ الْاَرضِ شَيئًا بِغَيرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَومَ القِيَامَةِ اِلٰى سَبعِ اَرَضِينَ، رواه البخاري.(مشكوة ص:۲۵۶،ط:قديمی)

ترجمہ : حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا کہ جو شخص زمین کا کوئی حصہ بھی ناحق لے گا (یعنی کسی کی زمین کا کوئی بھی قطعہ از راہِ ظلم وزبردستی لے گا) تو قیامت کے دن اسے زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسایا جائے گا۔ بخاری۔ (مظاہر حق ۳/۱۵۷، ط: دارالاشاعت)

حدیث نمبر۴ :وَعَن يَعلَى بنِ مُرَّةَ ؓ قَالَ سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَن اَخَذَ اَرضًا بِغَيرِ حَقِّهَا كُلِّفَ اَن يَّحمِلَ تُرَابَهَا المَحشَرَ، رواه احمد.(مشكوة ص:۲۵۶،ط:قديمی)

ترجمہ : حضرت یعلی ابن مرہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق (یعنی از راہِ ظلم) لے گا اسے حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی (ساری) مٹی اپنے سر پر اٹھائے۔ احمد۔

(مظاہر حق ۳/۱۵۷، ط: دارالاشاعت)

حدیث نمبر۵ :وَعَنهُ قَالَ سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ اَيُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبرًا مِّنَ الْاَرضِ كَلَّفَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَن يَّحفِرَهٗ حَتّٰى يَبلُغَ آخِرَ سَبعِ اَرَضِينَ ثُمَّ يُطَوَّقُهٗ اِلٰى يَومِ القِيَامَةِ حَتّٰى يُقضٰى بَينَ النَّاسِ، رواه احمد.(مشكوة ص:۲۵۶،ط:قديمی)

ترجمہ : اور حضرت یعلی بن مرہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص (کسی کی) بالشت بھر زمین بھی از راہِ ظلم لے گا اسے (قبر میں) اللہ تعالیٰ اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ اس زمین کو ساتویں طبقہ تک کھودتا رہے، پھر وہ زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی اور وہ قیامت تک اسی حال میں رہے گا حتی کہ (قیامت کے دن) لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔ احمد۔

(مظاہر حق ۳/۱۵۷، ط: دارالاشاعت)

﴿۱۰﴾ پگڑی اور ایڈوانس میں سود کا عنصر

اس پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ جو مکانات اور دکانیں پگڑی یا ایڈوانس کی بنیاد پر کرائے پر دی جاتی ہیں اور ان کے وجہ سے کرائے میں کمی ہوتی ہے تو یہ ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ کی حدیث کی وجہ سے سودی معاملہ میں داخل ہے اور پگڑی اور ایڈوانس دینے والا کرایہ میں کمی کر کے سود لے رہا ہے......لیکن یہ اتفاقی سود آج کتنے اور کیسے کیسے بظاہر پارسا لوگ کھا رہے ہیں اور وہ بھی حلال سمجھ کر، نہ توبہ واستغفار کا غم، نہ مکان دکان خالی کرنے کی فکر اور نہ دوسرے کے حق کو باطل اور ناجائز طریقے پر کھانے اور غصب کرنے کے بعد مرنے سے پہلے ادا کرنے کی کوشش...... یہ سارا کا سارا ”ہویٰ“ کا کمال نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ اتفاقی سود اور حرام جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ ہے اور ایک درہم چھتیس زناؤں سے بدتر ہے اور سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ جیسے کوئی حقیقی ماں سے منہ کالا کرے......اور جس کا لکھنے والا، گواہی دینے والا، دینے والا اور لینے والا سب ملعون ہیں۔

کیا آج مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اس سود خوری اور حرام خوری میں مبتلا نہیں؟ کیوں نہیں؟ بلکہ گناہ کی فہرست سے نکال کر مبتلا ہے۔

﴿۱۱﴾ پرائز بانڈ اور سود و قمار......

آج کل انعامی بانڈز کا کاروبار بھی خوب عروج پر ہے، بڑے بڑے ڈیلر اس کی خرید و فروخت میں مصروف ہیں اور عام تجار بھی ملک کی اصل کرنسی کے بجائے ان بانڈز میں متعدد عارضی اور فانی فوائد کے پیش نظر ان کی خرید وفروخت اور اپنے پاس رکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں.....جبکہ درج ذیل وجوہ سے یہ معاملہ ناجائز، حرام اور سود ہے:

(۱) بانڈ کی فقہی تکییف اور حیثیت اسٹیٹ بینک کو قرض دینا ہے، یعنی جس ڈیلر نے اسٹیٹ بینک سے بانڈز لیے ہیں گویا اس نے قرض دے کر رسید اور دستاویز کے طور پر بانڈ جاری کر دیا تا کہ اس کے قرض کا ثبوت اور سند رہے، اب یہ ڈیلر جب کسی تاجر کو یہ بانڈ بیچتا ہے تو گویا یہ اپنا وہ قرض جو اس کا اسٹیٹ بینک کے ذمہ ہے اس کو بیچتا ہے اور یہ شرعاً ناجائز ہے۔

احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ ”قرض جس پر ہے اس مقروض پر تو اس کا بیچنا جائز ہے لیکن اس مقروض کے سوا کسی دوسرے پر بیچنا جائز نہیں......تو......

اولاً: تو ان ڈیلروں کے لیے کسی تاجر پر بیچنا جائز نہیں۔

ثانیاً: جن صورتوں میں قرض بیچنا شرعاً جائز ہے ان میں جواز کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ قرض کا عوض اگر قرض کی جنس میں سے ہے تو برابری ضروری ہے، کمی زیادتی سود ہے۔ مثلاً قرض بھی گندم ہے اور جس چیز کے عوض میں فروخت کر رہا ہے وہ بھی گندم ہے......تو اس صورت میں برابری ضروری ہے۔

اگر قرض دو من گندم ہے تو اس کے بدلے دو من گندم لینا جائز ہے۔ کم، زیادہ لینا ناجائز اور صریح سود ہے۔

چونکہ بانڈز کی فروختگی کی صورت میں قرض ملکی کرنسی ہے اور جس عوض پر فروخت کیا جاتا ہے وہ بھی ملکی کرنسی ہے اور یہ دونوں اتفاقاً ایک جنس ہیں، اس لیے اس میں برابری واجب اور

کمی بیشی سود اور حرام ہے۔ جبکہ ڈیلر اس قرض کو زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں کیونکہ فائدہ اس کو تب ہوتا ہے کہ زیادہ پر بیچے۔

(۲) جنسِ واحد کی صورت میں جواز کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جس مجلس میں خرید و فروخت کا معاملہ ہو اسی میں فریقین اصل کرنسی پر قبضہ کریں ورنہ ربا النَّساء کا گناہ ہوگا یعنی اگر ایک نے کرنسی دی اور دوسرے نے کرنسی کے دستاویز انعامی بانڈز کی صورت میں دی تو یہ ناجائز اور سود ہے۔ گویا انعامی بانڈ کی خرید وفروخت میں دوطرح کا سود ہے: ایک ربا الفضل ......اور......دوسرا ربا النَّساء......یعنی زیادہ لینا الگ سود ہے اور ادھار الگ۔

سود کا گناہ کس کو معلوم نہیں لیکن ''ہویٰ'' کا کمال یہ ہے کہ اس نے اس سود کو گناہ کی فہرست سے نکال کر حلال تجارت باور کرایا ہے اور آج ایک بڑا طبقہ اس دہرے اور ڈبل سود کے گناہ میں بدوں توبہ واستغفار مبتلا ہے۔

﴿۱۲﴾ بلٹی کا کاروبار اور سود ......

یہ حرام اور سودی کاروبار بھی ٹرانسپورٹ کے شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں خوب عام ہے۔

گاڑی کا ڈرائیور کرایہ کی بلٹی جو رقم اور کرنسی کا ترجمان اور رسید ہے کم رقم کے عوض بروکر کے ہاتھ نقد کرنسی پر فروخت کرتا ہے جس میں دوطرح کا سود ہے:

(۱) بلٹی خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پرچی میں جو رقم اور کرنسی لکھی ہوئی ہے اس رقم کو بروکر نقد رقم اور کرنسی کے عوض خریدتا ہے اور جہاں دونوں طرف سے خرید وفروخت کے معاملہ میں جنس اور قدر ایک ہو وہاں برابری واجب اور ضروری ہے، کمی بیشی سود اور حرام ہے جبکہ یہاں دونوں طرف سے جنس اور قدر ایک ہے اور معاملہ کمی بیشی سے کرتے ہیں جو کہ صریح سود اور حرام ہے۔

(۲) ایسی صورت میں جواز کے لیے یہ بھی ضروری شرط ہے کہ جس مجلس میں یہ معاملہ ہو جائے اسی مجلس میں فریقین کا اصل کرنسی پر قبضہ ہو جائے، جبکہ یہاں ایک طرف تو کرنسی پر قبضہ ہوتا ہے اور دوسری طرف بجائے کرنسی کے اس کی دستاویز جو بلٹی کی صورت میں ہے پر قبضہ ہوتا ہے۔ اس سے سود کی دوسری قسم جس کو ربا النَّساء (ادھار کا سود) کہا جاتا ہے وہ بھی لازم آیا۔

الحاصل : اس معاملہ میں دوطرح سود کا گناہ ہے لیکن ''ہویٰ'' کا کمال دیکھیے کہ کتنے لوگوں کو اس سود میں اس طرح مبتلا کیا ہے کہ یہ لوگ اس سود کو سود اور حرام تک نہیں سمجھتے بلکہ حلال اور کاروبار سمجھ کر کر بھی رہے ہیں اور کھا بھی رہے ہیں اور یہ سب کچھ اس طرح کہ نہ توبہ کا غم نہ استغفار کی فکر۔

﴿۱۳﴾ حیض اور ماہواری کے مسائل سے بے اعتنائی اور غفلت............

ان مسائل کا سیکھنا، سکھانا اور ان کے مطابق خواتین کا عمل کرنا بھی آج ایسا ناپید ہے کہ ہزاروں اور لاکھوں خواتین میں کوئی ایک خاتون بھی ایسی نہیں ملتی جس کو حیض، نفاس اور استحاضہ کی مکمل تمیز اور علم ہو اور وہ اس کے مطابق عمل کر رہی ہو۔

خواتین اس سلسلے میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہیں کہ جس خون کو وہ حیض بنانا چاہیں اس کو حیض بناتی ہیں اور جس کو استحاضہ بنانا چاہیں اس کو استحاضہ بنا دیتی ہیں۔

عورتوں کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جو حیض اور ماہواری کی اقل اور اکثر مدت سے بھی واقف نہیں، اس لیے ان کے نزدیک ایک دن خون آئے یا پندرہ بیس دن آئے سب حیض اور ماہواری ہے اور سب میں حیض کے احکام جاری ہیں۔

خواتین کی طرح ان کے سرپرست اور شوہر صاحبان کی غفلت بھی ان کی غفلت سے زیادہ نہ ہو تو کم بھی نہیں، خود ان کو بھی نہ یہ مسائل معلوم ہیں اور نہ اپنی خواتین کو سکھانے کا غم اور فکر ہے جبکہ شرعاً بالغہ لڑکی کو شادی سے پہلے اس کے والد اور بھائیوں کے ذمہ یہ مسائل سکھانا ہے اور شادی ہو جانے کے بعد اس کے شوہر کے ذمہ سکھانا ہے۔

جن علماءِ کرام سے حل کی امیدیں بندھی ہوئی تھیں ان کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ ان مسائل میں سوائے متون کے چند مسائل کے دوسرے اہم اور ضروری مسائل کی طرف ان کی بھی کوئی خاص توجہ نہیں، ان سب کی غفلتوں کی وجہ یا تو...... سستی اور کاہلی ہے...... یا...... الاہم فالاہم...... کے قانون کا ذہول ہے اور یا پھر ''ہوٰی'' نے اس قانون کو ہم سے غلط استعمال کرایا ہے کیونکہ آج......فیس بک......، واٹس ایپ......، اور دوسرے لایعنی امور میں مصروفیت کو اہم سمجھا گیا ہے اور ان مسائل کو سیکھنا، سکھانا اور ان کے مطابق عمل کرنے کو غیر اہم اور غیر ضروری سمجھا ہے۔

کتنے افراد ایسے ہیں جنہوں نے ان مسائل کے مقابلہ میں بعض دینی مصروفیات جو درجہ فرض میں نہیں کو وقت دینا اور ان میں مصروف رہنے کو اہم قرار دے کر ان مسائل کے سیکھنے سکھانے سے صرفِ نظر کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شریعت کے رموز شناس اور احکام کے حدود اور درجات بتانے والے حضراتِ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو کہ انہوں نے ان مسائل کا مقام، درجہ اور مرتبہ بھی بتایا کہ ان مسائل کا سیکھنا، سکھانا اور ان کے مطابق عمل کرنا واجب اور فرض ہے اور ان کی اہمیت اور ضرورت سے بھی امتِ مسلمہ کو باخبر فرمایا......

دو حوالے ملاحظہ ہوں:

﴿۱﴾ قال العلامة الشيخ محمدبن بير على البركوى و العلامة ابن عابدين رحمهما الله تعالىٰ :''(فقد اتفق الفقهاء) أى المجتهدون (على فرضية علم الحال على كل من آمن بالله و اليوم الآخر من نسوة و رجال فمعرفة)أحكام (الدماء المختصة بالنساء واجبة عليهن و على الأزواج و الأولياء)جمع ولى و هو العصبة فيجب على المرأة تعلم الأحكام و على زوجها أن يعلمها ما تحتاج اليه منها ان علم والا أذن لها بالخروج و الا تخرج بلا اذنه و على من يلى أمرها كالأب أن يعلمها كذلك(و لكن هذا) أى علم الدماء المختصة بالنساء(كان) أى صار فكانت هباء منبثاً (فى زماننا)أى فى زمان المصنف و قد توفى سنہ ۹۸۱ (مهجورا) أى متروكا(بل صار كأن لم يكن شيئا مذكورا لا يفرقون)أى اهل الزمان(بين الحيض و النفاس و الاستحاضة) فى كثير من المسائل (و لا يميزون بين الصحيحة من الدماء و الأطهار و بين الفاسدة منهما ترى أى تبصر أو تعلم أمثلهم)أى أفضلهم أو أعلمهم عند نفسه (يكتفى بالمتون

المشهورة و أكثر مسائل الدماء فيها مفقودة و الكتب مبسوطة) التى فيهـا هـذه المسائل (لا يملكها الا قليل) لقلة وجودها وغلاء أثمانها (والـمالكون) لها (أكثرهم عن مطالعتها عاجز و عليل و أكثرنسخها فـى بـاب حيـضها تحريف) أى تغيير (و تبديل لعدم الاشتغال به) أى بـأكثـر نسـخها (مذ) أى من (دهر طويل) فكلما نسخت نسخة على أخـرى زاد التـحـريف(و فـى مسـائـلـه) أى بـاب الحيض (كثرة و صعوبة) قال فى البحر : و اعلم أن باب الحيض من غوامض الأبواب خـصـوصـا الـمتحيرة و تفاريعها و لهٰذا اعتنى به المحققون و أفرده مـحـمـدرحمه الله تعالىٰ فى كتاب مستقل و معرفة مسائله من أعظم الـمهـمـات لـما يترتب عليها مما لا يحصى من الأحكام كالطهارة و الـصلاة و قراءة الـقـرآن و الـصـوم و الاعتكاف و الحج و البلوغ و الـوطـى و الـطـلاق و الـعدة و الاستبراء و غير ذلک من الأحكام و كان من أعظم الواجبات لأن عظم منزلة العلم بالشيء بحسب منزلة ضـرر الجهل به و ضررالجهل بمسائل الحيض أشد من ضررالجهل بـغيـرهـا فـيـجـب الأعتـناء بمعرفتها و ان كان الكلام فيها طويلا فان الـمـحـصـل يتشـوف الى ذلک و لا التفات الى كراهة أهل البطالة انتهى ". (رسائل ابن عابدين ۱/ ۶۹، ۷۰، ط:سهيل اكيدمى)

ترجمہ: علامہ محمد بن پیر علی برکوی اور علامہ ابن عابدین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقہاءِ کرام یعنی ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اس بات پر متفق ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ...... وہ خون جو کہ عورتوں کے ساتھ خاص ہے کا جاننا عورتوں پر بھی واجب اور فرض ہے اور ان کے شوہروں اور اولیاء پر بھی، اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی عصبہ کو کہتے ہیں، پس عورتوں پر ان مسائل کا جاننا فرض ہے اور اگر وہ خود جانتی نہ ہوں تو شوہر پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو وہ مسائل سکھائے جن کے سیکھنے کی طرف عورت محتاج ہو،

اگر شوہر کو اس کا علم نہ ہو تو وہ بیوی کو ان مسائل کے سیکھنے کے لیے نکلنے کی اجازت دے، اور اگر شوہر اجازت بھی نہیں دیتا تو بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر ان مسائل کے سیکھنے کے لیے نکل جائے اور ان کے ولی کے ذمہ بھی شوہر کی طرح سکھانا اور اجازت دینا واجب ہے جیسے کے والد، لیکن یہ علم (عورتوں کے مخصوص مسائل کا علم) ہمارے زمانے میں اڑتے ہوئے غبار جیسا ہو گیا ہے یعنی مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں جن کی وفات ۹۸۱ھ میں ہوئی اور اس علم کو ایسے چھوڑ دیا گیا ہے جیسے یہ پہلے کبھی تھا ہی نہیں، یہاں تک کہ آج کل بہت سارے لوگ حیض، نفاس اور استحاضہ میں فرق نہیں کر سکتے اور نہ ہی دمِ صحیح اور فاسد اور طہرِ صحیح اور فاسد میں تمیز کر سکتے ہیں، اور ان میں ایسے لوگ ہیں کہ آپ ان علماء میں سے جو سب سے بڑا علامہ ہوگا یعنی سب سے افضل عالم ہوگا اپنے خیال میں اس کو بھی آپ دیکھیں گے کہ وہ بھی متونِ مشہورہ پر اکتفاء کرتا ہے حالانکہ ان میں اکثر مسائل موجود نہیں اور وہ کتابیں جن میں یہ مسائل تفصیل سے مذکور ہیں بہت کم لوگوں کی ملکیت میں وہ کتابیں ہیں کیوں کہ ایک تو ان کا وجود کم ہے یعنی ملنا مشکل ہے اور دوسرا یہ کہ مہنگی ہیں اور جن کے پاس یہ کتابیں ہیں ان میں سے بھی اکثر لوگ ان کتابوں کے مطالعہ سے عاجز ہیں یعنی اس کا مطالعہ کر کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور بابِ حیض میں جتنے نسخے اور کتابیں لکھی گئی ہیں سب میں ترمیمات اور اضافات کی غلطیاں کافی ہیں جس کی وجہ اس علم کے ساتھ عدمِ اشتغال اور عدمِ مصروفیت ہے، جب بھی کوئی نسخہ لکھا جاتا ہے تو اس میں غلطیاں بڑھتی جاتی ہیں اور حیض کے مسائل ایک تو بہت زیادہ ہیں اور دوسرا یہ کہ بہت مشکل ہیں، چنانچہ البحر الرائق میں لکھا ہے: جان لو کہ حیض کا باب پیچیدہ اور مشکل باب ہے خصوصاً متحیرہ اور اس پر تفریعات۔ اس لیے محققین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کو مستقل اہتمام سے تحریر فرمایا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اس پر مستقل کتاب بھی لکھی ہے اور ان مسائل کو سیکھنا بڑے مہمات میں سے ہے کیوں کہ ان کے ساتھ بے شمار مسائل اور احکامات مرتب ہیں جیسے پاکی، ناپاکی، نماز، قرآنِ مجید کی

تلاوت، روزہ، اعتکاف، حج، بالغ ہونا، جوازِ صحبت، طلاق کے اقسام، عدت (جیسے طلاق کے بعد عدت کا مدار بھی حیض پر ہے)، استبراء (جیسے کافر باندی کے ساتھ جوازِ صحبت کے لیے ایک ماہواری کا آنا) اور اس جیسے دوسرے بہت سارے احکام اور یہ علم بڑے واجبات میں سے ہے کیونکہ کسی چیز کے علم کے درجہ کا بڑا ہونا اس سے ناواقفیت کے نقصان کے درجہ کے لحاظ اور تناسب سے ہوتا ہے اور مسائلِ حیض کی ناواقفیت کا ضرر بنسبت دوسرے مسائل سے جہالت کے زیادہ ہے، پس ان مسائل کے سیکھنے کا اہتمام کرنا واجب ہے، اگرچہ ان مسائل میں تفصیل ہے (جس کے لیے کافی وقت درکار ہے) لیکن جو سچا طالب اور ان مسائل کو سیکھنے والا ہے وہ پھر بھی ان مسائل کے سیکھنے میں تتبع اور کوشش کرتا رہتا ہے (اور اکتاتا نہیں) اور (اس کے بالمقابل) جو سست اور کاہل لوگ ہیں ان کی اکتاہٹ اور ناپسندیدگی کی طرف نہیں دیکھا جائے گا (یعنی یہ قابلِ اعتبار اور قابلِ تقلید نہیں)

﴿۲﴾ وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: فائدة: حكى أن خلف بن أيوب أرسل ابنه من بلخ إلى بغداد للتعلم فأنفق عليه خمسين ألف درهم فلما رجع قال له ما تعلمت؟ قال: هذه المسألة أن زمان الغسل من الطهر فى حق صاحبة العشرة ومن الحيض فيما دونها قال خلف: والله ما ضيعت سفرك كذا فى الكفاية. اهـ.

(منحة الخالق على البحر الرائق ۱ / ۳۵۴، ط: رشيديه)

ترجمہ: خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو پچاس ہزار درہم (۱۴۵۸۲٫۰۸۳ تولہ چاندی) دے کر بلخ سے بغداد تحصیل علم کے لیے بھیجا تھا۔ جب وہ اس ساری رقم کو خرچ کر کے واپس آیا، تو والد محترم نے پوچھا: کیا سیکھ کر آئے ہو؟ جواب میں بیٹے نے کہا: صرف ایک مسئلہ، وہ یہ کہ ”اگر حیض اکثر مدت یعنی دس دن پر منقطع ہو جائے تو زمانۂ غسل حیض میں داخل نہیں، دس سے کم میں منقطع ہو جائے تو حیض میں داخل ہے“ اس جواب کو سن کر اس کے والد محترم نے انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے اپنے سفر کو ضائع

نہیں کیا (بلکہ انتہائی قیمتی بنایا)۔

ان دو حوالوں سے ان مسائل کا درجہ اور اہمیت دونوں واضح ہو گئے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ سیکھنے پر بھی زرِ کثیر خرچ کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ اس دور میں بھی مسلمانوں کے دلوں میں ان مسائل کی اہمیت اپنے فضل وکرم سے پیدا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے محسن اور مکرم استاذ الاساتذہ سابق صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو کہ انہوں نے ان مسائل کی اہمیت پر ایک قیمتی مضمون وفاق کے ماہنامہ شمارہ نمبر ۳، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ میں شائع کرا کر ہم سب کو ان مسائل کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کیا، آپ علیہ الرحمۃ کا مضمون من وعن ہماری کتاب ”احکامِ حیض ونفاس مع حج وعمرہ میں خواتین کے مسائلِ مخصوصہ“ ملاحظہ ہو۔

حضرات اکابر علیہم الرحمۃ کے حکم سے ہمارے ہاں ”جامعہ خلفائے راشدین“ سے ان مسائل پر ایک مفصل اور مدلل کتاب بنام ”احکامِ حیض ونفاس مع حج وعمرہ میں خواتین کے مسائلِ مخصوصہ“ مرتب ہو کر شائع ہوئی ہے اور کئی مدارسِ بنات میں زیرِ تدریس بھی ہے، جامعہ کے متخصصین کو بھی ہر سال پوری کتاب تمرینات کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے، پڑھائی کا دورانیہ تقریباً ایک ماہ ہے اس میں متخصصین کے علاوہ باہر کے علماء اور تعلیم یافتہ افراد بھی شرکت کرتے رہتے ہیں، آئندہ بھی اس کی اجازت ہے۔

پڑھائی کے ایام اور اوقات کتاب کے سرِ ورق پر موجود نمبرات سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔